اِسلام میں

سَرمایہ داری اور جاگیرداری

کا کوئی وجُود نہیں!

چوہدری افضل حق
سیّد مناظر احسن گیلانی



اکبر شاہ

اِسلام میں

سَرمایہ داری اور جاگیرداری

کا کوئی وجُود نہیں!

چوہدری فضل حق
سیّد مناظر احسن گیلانی رحمہما اللہ

Bought by;
Sayed Akbar Ali Shah 30th March-04

مکّی دارُالکُتب
غزنی سٹریٹ، یوسف مارکیٹ
اُردو بازار۔ لاہور
فون: 7241778

جملہ حقوق محفوظ ہیں

حوالہ نمبر م - د / 97 - 10/ 37

کتاب	:	سرمایہ داری، جاگیرداری
مصنف	:	چوہدری افضل حق / مناظر احسن گیلانی
اہتمام	:	محمد عباس شاد
ناشر	:	محبوب الرحمٰن انور
کمپوزنگ	:	فراز کمپوزنگ سنٹر، لاہور
اشاعت	:	ستمبر 1997ء
مطبع	:	حاجی حنیف اینڈ سنز، لاہور
قیمت	:	-/100 روپے

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	نقشِ اوّل از ناشر۔	۵
۲	اُمراء اور مسلمان (خط بجواب مولانا قاسمی)۔	۷
۳	اِسلام میں مختلف طبقات نہیں۔	۹
۴	اربابِ بصیرت غور کریں۔	۱۲
۵	کسبِ معاش اور معیشت۔	۱۵
۶	غضب پر غضب۔	۱۹
۷	جاگیرداری اور اسلام۔	۲۰
۸	مصر کے واقعے پر اشتراکی رائے۔	۲۳
۹	کنز اور جاگیرداری۔	۲۵
۱۰	شخصی جائیداد اور اسلام کے اقتصادی حدود۔	۲۶
۱۱	زکوٰۃ اور شخصی ملکیت۔	۲۸
۱۲	حضرت خالد کی معزولی۔	۳۰
۱۳	خلیفہ کو مسلمانوں کی املاک پر پورا اختیار ہے۔	۳۱
۱۴	غلام اور آقا۔	۳۲
۱۵	شرح روس خدا اور مذہب کا باغی کیوں ہوا۔	۳۵
۱۶	مجلسِ احرار کا مشن۔	۳۷
۱۷	مسلمان سوچے۔	۴۶
۱۸	سرمایہ دار سے بچو۔	۴۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۹	غربت میں عظمت ۔	۴۸
۲۰	نئی منزل ۔	۴۹
۲۱	پروگرام پر نگاہ رکھو ۔	۵۰
۲۲	مذہب اور آدمیت ۔	۵۳
۲۳	مذہب اور اقتصاد	۵۴
۲۴	مذہب اور انقلابِ روس	۵۶

پیش لفظ

برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کے سیاسی زوال کے بعد ان کے روز افزوں انحطاط کو محسوس کرنے اور اسکا ٹھوس اور پائیدار حل پیش کرنیکا شرف ولی اللّٰہی جماعت کے سرخیل اور رہنما امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو حاصل ہے۔

اس جماعت کی جد و جہد کی ایک مستقل تاریخ ہے۔ جب بھی اسلام اور انسانیت کو کوئی مسئلہ درپیش ہوا تو اس جماعت نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔

اٹھارہویں صدی میں سرمایہ داری کے عفریت نے جب دنیا کے بیشتر حصّے کو اپنی حرص و آز کا نشانہ بنایا تو ہندوستان کی خوشحال سرزمین بھی اس کی زد میں آئی۔

فرنگی سامراج جو اپنے علاقہ میں جاگیرداری اور بادشاہت کو شجر ممنوعہ قرار دے آیا تھا۔ اس نے ہندوستان میں اپنے اقتدار کو لازوال بنانے کے لیے اپنی وفاداریوں کے عوض جاگیریں تقسیم کر کے اپنے پٹھو جاگیردار پیدا کرنا شروع کر دیئے۔

یوں ہندوستان میں کمپنی کے انگریز سرمایہ داروں اور وطن کے ضمیر فروش جاگیرداروں کا ایک ٹولہ وجود میں آگیا۔

ایسے حالات میں سرمایہ داری اور جاگیرداری پر اسلام کے حوالہ سے گفتگو ایک لازمی امر تھا۔ اس وقت بھی ولی اللّٰہی جماعت پیچھے نہیں رہی اور اس نے دو ٹوک انداز میں انسان دشمن سرمایہ داری اور جاگیرداری کو از روئے اسلام ناجائز قرار دیا۔ لیکن اس دور زوال میں بعض سادہ طبیعت علماء نے جو یقیناً زوال ہی کا نتیجہ تھا۔ سرمایہ داری اور جاگیرداری کے حق میں قلم اٹھایا انہیں میں سے کا ایک موقعہ ہے کہ مولانا بہاؤالحق قاسمی جو مشہور ادیب اور

ڈرامہ نگار جناب عطاء الحق قاسمی کے والد گرامی نے بھی جاگیر دار اور سرمایہ داری کے حق میں قلم اٹھایا اور چوہدری افضل حق مرحوم جنہوں نے علماء حق کی صحبت سے ستھرا فکری ذوق پایا تھا کو یک قلم اشتراکی قرار دے دیا اور مولانا بہاء الحق قاسمی اور چوہدری افضل حق مرحوم کے درمیان ایک بحث چل نکلی جو ہندوستان کے مشہور جریدہ "زم زم" میں چھپتی رہی، زیر نظر چوہدری افضل مرحوم کا مضمون اسی بحث کے جوابی مضمون کے طور پر چوہدری صاحب کے قلم سے نکلا جس میں چوہدری صاحب نے بڑے اچھے انداز میں جاگیر داری اور سرمایہ داری کا رد فرمایا ہے

جناب عطاء الحق قاسمی نے بھی اس علمی بحث کا ذکر اپنے سوانحی انٹرویو "یہ قصہ ہے نصف صدی کا" میں کیا ہے اور چوہدری صاحب ہی کے مؤقف کو درست قرار دیا ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کے ایک مقالہ پر مشتمل ہے جو انہوں نے اسلام اور نظام جاگیرداری پر تحریر کیا تھا۔

لہذا ان دو مضمونوں پر مشتمل کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہمیں سچے فکر اور علمائے حق کی نمائندگی کی ہمت عطا فرمائے۔

محمد عباس شاد

۹ اگست ۱۹۹۷ء

لاہور

اُمراء اور مُسلمان

خط بجواب مولانا بہاالحق صاحب قاسمی امرتسری

قلم کی کامیابی اس کی میانہ روی میں ہے۔ فی زمانہ سیاسیات پر قلم اُٹھانا تو اندھے کا لٹھ گھمانا ہے۔ جس کے پڑ جائے اور جیسا پڑ جائے۔ لیکن خوبی یہی ہے کہ وہاں بھی احتیاط کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا جائے۔ میں اسی لیے ہمیشہ حریف کے دلائل کو غور سے پڑھتا ہوں۔ اور اس کی رائے کو عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ مگر اب مذہب کا معرکہ آن پڑا ہے۔ مولانا بہاء الحق کی زور آوری مجھے اس میدان میں کھینچ لائی ہے۔ جہاں کے معاملے نہایت نازک ہیں:

یہاں عموماً عقل کو بیکار سمجھ کر علم کی سند مانگی جاتی ہے"

اور وہ بھی رسمی علم کی۔ اگر میری عرضداشتوں کو علماء کرام کے مقابلے میں "جہلائے عظام" کی صف آرائی تصور کرنا ہو تو میں اس قلمی آویزش سے باز آیا۔ اگر مولانا نے میرے دلائل کو انصاف کی نگاہ سے دیکھنا ہو۔ تو میں اسے ملت کے لیے مبارک کام سمجھ کر قلم اٹھاؤں اور احرار دوستوں سے بھی استدعا ہے کہ جماعتی جذبہ داریوں سے بالاتر ہو کر غور کریں کہ حکمتوں اور برکتوں کا سرچشمہ اسلام سرمایہ داری کے مسئلے میں کیا رائے رکھتا ہے اور ارباب غرض نے ان کو کیا سے کیا بنا دیا

ہے۔

اشتراکی بے شک دین کے دشمن اور مذہب کے بیری ہیں۔ حضرات علمائے کرام کے احساسات ان کے خلاف قدرتی طور پر گہرے ہیں۔ مگر میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں اور انہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں اشتراکی عقائد کے اس طرح خلاف نہیں۔ جس طرح کہ مولانا قاسمی۔ اس زمانے میں کسی کو اشتراکی کہہ کر اس کی دینداری کو بٹہ لگانا اتنا ہی آسان ہے۔ جتنا گزشتہ زمانے میں کسی کو وہابی کہہ کر پٹوانا سہل تھا۔ کسی کے وہابی ہونے کی یہ دلیل کافی تھی کہ اس کا نام عبدالجبار ہے۔ اگر بدقسمتی سے کہیں باپ کا نام عبداللہ ہوا تو کرسی بہ کرسی وہابی سمجھا جاتا۔ الزام یہ ہوتا تھا کہ کیونکہ اس کا نام پیر داد نہیں اور اس کے باپ کا نام حسین بخش نہیں کافر تو ایک سوئر کا درجہ تھا۔ بدقسمت وہابی سو سوئر کا ایک سور سمجھا جاتا تھا۔

مولانا قاسمی نے اسی رسم کہن کو از سر نو زندہ کیا ہے۔ مگر دوسرے انداز میں الفاظ کا ایسا الٹ پھیر تیار کیا ہے کہ کوئی سمجھے کہ اسلام کی تضحیک اور اشتراکیت کی ترویج میرا منصب ہے۔ اور اخبار "زمزم" ہی میں چھپوانے کے بجائے اس کو سب جگہ اچھالا ہے۔ اور متعدد اخبارات میں اشاعت کے لیے بھیجا ہے۔ حالانکہ جزوی مشابہت تامہ کا گمان نہ گزرنا چاہیئے کہ کیا ہر وہ شخص جو اسلام کو طبقات کا مخالف اور مساوات کا حامل سمجھتا ہے۔ اشتراکی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ فلاں شخص شیر ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ دُم بھی رکھتا ہے۔ اور پہاڑ کھانے کو آتا ہے؟ اگر نہیں تو مولانا کو خطرہ کیا گزرا کہ جان کو ناحق دکھوں میں ڈال کر یہ تکلیف فرمائی کی۔ اور مجھ کو اشتراکیت کا حامی سمجھا؟

اسلام میں مختلف طبقات نہیں

مولانا قاسمی کے مضمون سے میری طبیعت نے وہی اثر قبول کیا ہے۔ جو محترم "مدیر مسلمان" نے کیا۔ اور جو نتیجہ مدیر "احسان" نے نکالا ہے۔ صاف طور پر یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مولانا مسلمانوں میں امیر و غریب کے طبقات قائم رکھ کر زیادہ سے زیادہ شیر اور بکری کو ایک گھاٹ پانی پلا کر دنیا کو معجزے کا قائل کرنا چاہتے ہیں۔ مگر میری بصیرت یہ ہے کہ اسلام سرکس ماسٹر نہیں کہ شیر کو سدھائے اور بکری کے پاس کھڑا کر کے ایک گھاٹ پانی پلائے:

"وہ شخصی جائیداد کے تصور ہی کی نفی کرتا ہے"

اور ارض و سماء کا مالک وہ اپنی ذات کو قرار دیتا ہے تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ جس طرح مزارعہ تابع مرضی مالک ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر شخص مالک حقیقی کی مستقل ہدایات کے تابع ہے:

امیر کی اصطلاح غیر اسلامی تصورات کی آئینہ دار ہے۔ ہر مسلمان ابن تو کہلا سکتا ہے۔ عرف عام میں امیر اور سرمایہ دار نہیں"

کہ مال کو حسب مرضی خرچ کر سکے۔ چاہے تو چاندی کے برتن بنا لے۔ چاہے تو محلات تعمیر کر لے۔ خوش ہو تو کسی کو گھوڑا جوڑا بخش دے۔ راضی ہو تو خوشخبری لانے والے کا منہ موتیوں سے بھر دے۔ بازار میں نکلے تو دس بیس کے کھلونے خرید لائے۔ مہمان آئے تو چار پانچ کھانے میز پر چن دے لباس فاخرہ پہن کر غریب لوگوں پر رعب جمانے نکلے یا اور سامان فخر و غرور کی نمائش کرے۔ اس کی ہر چیز اللہ کی نہ ہو بلکہ ہر حرکت ہی اللہ کے لیے ہو تب تو ہے اسلامی اصطلاح میں مسلمان ورنہ سنگدل سرمایہ دار۔

مولانا تو سرمایہ داری کا جواز اسلام سے نکال رہے ہیں۔ میں تو اس
امر کا قائل ہوں کہ جو سرمایہ دارانہ عادات رکھے اور امیروں کی سی
عام حرکات کرے وہ بھی دوزخ کا ایندھن ہے۔

کسی بچے سے پوچھو تو وہ یہی کہے گا کہ ہاں اسلام برابری اور برادری کا
قائل ہے اُخوّت و مساوات کا علمبردار ہے۔ ایک زمانہ تو وہ بھی تھا کہ امراء پختہ
عمارت بناتے بھی تو اسے خلافِ سنّت فعل سمجھ کر شرماتے تھے اور حتمیر کو آسودہ
رکھنے کے لیے یہ شعر مکان کے ماتھے پر کندہ کراتے تھے ؎

در حقیقت مالکِ ہر شے خدا است: ایں امانت چند روزہ نزد ما است

لیکن یہ کیسی دُکھ کی بات ہے کہ مولانا قاسمی جیسا فہیم اور باخدا شخص
اخوّت و مساوات کی تعبیر لفظ امبر میں ڈھونڈتا ہے۔ مولانا گردوپیش کے
حالات کو آنکھیں کھول کر دیکھیں۔ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ امیر واقعی خون
آشام جونکیں ہیں۔ اور میری بات پتھر پہ لکیر سمجھیں کہ:

جو جماعت بھی امیر کے وجود کو قائم رکھتی ہے وہ غریب کو
غلام بنانے کی مدعی ہے۔"

اور مولانا محترم! میری کہی ہوئی بات بھی اسلام ہی کا پروگرام ہے کہ:

انسانوں میں درجے نہ ہوں۔ صرف انسانیت (تقویٰ) ایک
درجہ ہو۔"

اگر آپ آیت قرآنی کو پیش کر کے عقل کو نقل کی طرف نہ پھیر دیتے تو
میں تو آپ سے ضرور پوچھتا کہ مولانا کیا آپ کی فطرتِ سلیم اس زمیندار نواب کی
حامی ہے جو ہونہار بیٹیوں کے درمیان محل تعمیر کر کے بھوک سے بدحال مخلوق میں
بیٹھ کر عمدہ کھانے تناول کرتا ہے؟ کیا آپ اس کارخانے دار کے ساتھی ہیں۔

جس کے ہاں مزدور رات دن محنت کے باوجود شکم پوری کا سامان نہیں پاتے اور
مالک مزے اڑاتا ہے؟ اگر نہیں تو مجھے بتائیں کہ آپ میری کس بات سے آتش
زیرپا ہو گئے۔ اور کس بات نے آپ کو یہ اشتعال انگیز اور حقیقت سے دور
فقرے لکھنے پر آمادہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے امیروں اور غریبوں کے دونوں گروہوں
کو ہمیشہ قائم رکھا ہے؟

بخدا انسانوں کو امیر و غریب دو گروہوں میں تقسیم کرنا خدا کا کام
نہیں یہ شیطان کا فعل ہے۔ جو انسانوں کے دلوں میں وسوسے
ڈال کر انہیں آمادۂ ظلم و فساد کرتا ہے۔ کسی کا امیر اور کسی کا غریب
ہونا ہی باعثِ فساد ہے۔ اللہ فساد کا حامی نہیں۔"

میں نے کہا کہ جب تک ملک میں امیر رہے گا غریب کا خون ضرور چوستا
رہے گا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ زمانہ حال کی مثالیں دے کر سمجھاتے کہ نہیں صاحب
سرمایہ آسمان سے برستا ہے۔ زمین کی پیداوار نہیں۔ اس لیے یہ جس پر
منجانب اللہ نازل ہوا اُسی کا حق ہے۔

جناب مولانا! اگر زمین خدا کی ہے اور انسان ابنِ آدم ہیں تو زید کا بکر
سے الگ حق غیر قدرتی ہے۔ اگر زید یہ کہے کہ میں تنومند ہوں۔ دوسروں سے
زیادہ کماتا ہوں، تم کمزوروں کو جو خود سامانِ خورد و نوش فراہم کرنے سے
عاجز ہو۔ اپنی کمائی نہیں دیتا۔ کیا اس کا یہ کہنا درست ہے یا سنگدلی؟

ایک ہوشیار شخص دوسروں سے زیادہ استعداد کو اپنے لیے صرف
کرے یا سب کے لیے؟

علم و عقل، طاقت اور ہمت، کو اپنے لیے مخصوص رکھنا
خود غرضی ہے اور ان خداداد قابلیتوں کو مخلوقِ خدا کی فائدہ رسانی

کے لیے صرف کرنا ہی دل کی عمارت استوار کرنا ہے۔ خود غرضی کا نام امیر ہے۔ فائدہ رساں کا نام مسلمان ہے۔ مسلمان کبھی امیر نہیں ہوگا۔ اس کا تو کچھ بھی اپنا نہیں ہوتا۔ لیکن ان تفصیلات میں میرا جانا فضول ہے۔ کیونکہ آپ کے پاس نقل ہے۔ آپ عقل سے کام لینا مناسب نہیں سمجھتے۔

حالانکہ نقل بھی وہ اصل ہے جس کو عقل کے ہی استعمال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ فہم قرآن کی عقل محض علم رسمی سے حاصل نہیں ہوتی اس لیے آپ نے ٹھوکر کھائی ہے۔

اربابِ بصیرت غور کریں

تحقیقِ حق کے لیے ضرورت ہے کہ ان ہی آیات کو پڑھنے پر اکتفا نہ کیا جائے مولانا نے امراء کو برکت دینے کے لیے جن آیات کا حوالہ دیا ہے۔ بلکہ ساری سورۃ الزخرف پارہ ۲۵ کا مطالعہ کیا جائے۔ اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے زیادہ تر امراء کی الزام تراشیوں کا جواب دیا گیا ہے۔ خود تو بیٹی کا باپ بننے کو موت سمجھنا لیکن خدا کو بیٹیوں کا باپ بناتا۔ اسی طرح امراء اپنے حق میں تو یہ کہتے ہیں کہ مال و دولت تو خدا کی دین ہے۔ اس میں کسی کا اجارہ ہی کیا۔ وہ جس کو چاہے دے لیکن نبوت جو دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے، جب ہم نے ایک غریب شخص کو دے دی تو پھر کہتے ہیں کہ فلاں امیر کو کیوں نہیں دی اس غریب کو کیوں دی ہے۔

اتنی بات اور سیدھی بات کو مولانا نے زیادہ حال کے سرمایہ دار مزاج کے موافق بنانا چاہا ہے اور کتنے تکلف سے امراء کا جواز ثابت کرنے

کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ یہ الزامی جواب ہے۔ ایسا ہی جیسا بیٹیوں والا الزامی جواب تھا۔ یہ نہیں کہ اگر سارا جہاں بیٹیوں کی پیدائش پر فخر کرنے لگے تو خدا بھی بیٹیوں کا اقرار کر لے گا۔ اسی طرح یہ شبہ نہ گزرے کہ ساری خدائی برابر کی تقسیم کے اصول کو تسلیم کر لے تو نبوت کی تقسیم بھی لازم آجاتی ہے۔ الزامی جواب کوئی مستقل دلیل نہیں ہوتی بلکہ مخالف کو اس کے دام میں پھنسانے اور لاجواب کرنے کی صورت ہوتی ہے تاکہ دنیا میں وہ اپنے دعوے میں ذلیل ہو اور پھر اس دعوے کو زبان پر لانے کی جرأت نہ کر سکے۔

اب پڑھیئے ان آیات کو اور دیکھئے مولانا کا ترجمہ جس پر انہوں نے انحصار کیا ہے:

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ۝

ترجمہ:۔ جس پر مولانا قاسمی نے انحصار کیا۔

کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت (خاصہ یعنی نبوت) کو (خود) تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ (یعنی یہ چاہتا کہ ہماری رائے کے موافق ملے۔ گویا خود تقسیم کنندہ ہونے کی ہوس کرنا ہے کہ یہ تقسیم ہمارے سپرد ہو سو یہ نری نادانی ہے کیونکہ) دنیوی زندگی میں ان کی روزی ہم ہی نے تقسیم کر رکھی ہے۔ اور اس تقسیم میں ہم نے ایک دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تاکہ اس سے یہ مصلحت حاصل ہو کہ

ایک دوسرے کے کام لیتا رہے۔ اور عالم کا نظام قائم رہے) اور (ظاہر) اور یقینی بات ہے کہ آپ کے رب کی رحمت (خاصہ نبوت) بدرجہا اس (دنیوی مال و متاع اور اس کے توابع ریاست (جاہ) سے بہتر ہے جس کو یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں؟"

یہ یاد رہے کہ ہمارا سارا مذہبی لٹریچر سرمایہ داری کے تلوم میں تیرہ سو سال تک ڈبکیاں کھاتا ہم تک پہنچا ہے۔"

اختلاف فہم کی اس لیے گنجائش رکھنا ضروری ہے۔ تاہم میں اپنے خیال اور رائے پر اعتماد نہیں کرتا اور یہ تسلیم کرتا ہوں کہ آپ کا ترجمہ درست ہے۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ کافروں اور اُمراء کی صریح مذمت سے اسلام میں اُمراء کا وجود کا جواز کہاں سے نکل آیا ہے، یہ مسلمہ طور پر کافر اُمراء پر پھٹکار رہے اور آپ دے رہے ہیں۔ اسلام میں امراء کو برکت اور خدائی سند۔

خدارا کچھ تو غور کیجئے کہ آپ نے فرمایا کیا ہے۔ کسی سرمایہ دار کو افسر ضلع نے بلا کر گالیاں دیں۔ سرمایہ دار کے ساتھیوں نے مشہور کیا کہ آج صاحب نے بڑی کرم فرمائی کی کہ ہمارے محسن کو گھر بلایا۔ ہاتھ ملایا اور شاباش کہی۔ مولانا قاسمی نے اس روایت کو سچ کر دکھایا۔ حق تعالیٰ اُمراء کی مذمت فرماتا ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ اُمراء کو سند ملی ہے۔ العجیب

اب جب اسلام میں اُمراء کا وجود ثابت اور قائم کیا تو چاہا کہ لگے ہاتھ روس کو بھی اُمراء کے ہاتھوں شکست دلاؤ، ایسا نہ ہو کہیں کوئی کہہ دے کہ صاحب روس میں امراء نہیں رہے۔ خدا کا قول تو سچ نہ رہا۔ اس لیے آسمانی صحیفہ کی تائید کے لیے رسالہ "ترجمان القرآن" کا حوالہ سند ہو گیا۔ بعض اوقات انسان جب اُوپر کے زینے سے پھسلتا ہے تو نیچے کے زینے

تک پھسلتا ہے۔ بہتر ہوتا کہ مولانا کسی اس شخص کا حوالہ دیتے جس سے (مودودی صاحب) محترم مدیر "ترجمان القرآن" نے یہ خیالات حاصل کیے ہیں۔ تاکہ پتہ چل سکتا ہے کہ:

"یہ سرمایہ داری کا ایجنٹ تو نہیں، جو کروڑوں روپے پانی کی طرح بہا کر روسی نظام حکومت کو بدنام اور برباد کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ غرباء امراء کے پنجے سے نکلنے کا سہارا نہ پائیں۔"

اس موضوع پر تفصیل سے قلم اٹھانا عافیت سوز ہے، اور دور از کار بھی۔ اوّل تو اس امر پر بحث ہے کہ اسلام نے اُمراء کے وجود کو تسلیم کیا ہے یا نہیں۔ سر دست تو اسی بحث تک محدود رہنا پسند کروں گا۔

کسبِ معاش اور معیشت

میں خود فوربرس کے مسلسل قرآنی مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ کر مطمئن ہوں کہ اسلام میں کسبِ معاش میں مختلف استعداد اور قابلیتوں کو تو قبول کیا گیا ہے مگر معیشت کے فرق کو مردود قرار دیا ہے۔ قرآن کریم کا سرسری مطالعہ اور عام ترجمے مفید نہیں۔ کیونکہ نظام جاگیرداری اور سرمایہ داری کے تسلسل نے صحیح اسلامی تصوّر کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔ ہم جب سوچتے ہیں اسی رنگ میں سوچتے ہیں۔ جب لکھتے ہیں۔ جس آیت سے مولانا نے اُمراء کے وجود کی بروئے اسلام سند حاصل کی ہے۔ دراصل اسے اس بحث سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اگر تعلق ہے تو صرف مذمّت کا ہے۔ عنوان محولہ کی اصل بحث سورۂ نمل پارہ چودہ[۱۴] میں موجود ہے:

واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا

بعادی رزقھم علی ما ملکت ایمانھم فھم فیہ سواء ط افبنعمۃ اللہ یجحدون ۝

"اللہ نے رزق میں بعض کو بعض پر فضیلت دی کہ (کوئی کم کماتا ہے کوئی زیادہ) تو کیوں ایسا نہیں کرتے کہ جس کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے زیردستوں کو لوٹا دے۔ حالانکہ سب اس میں برابر کے حقدار ہیں۔ پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں سے صریح منکر ہو رہے ہیں؟"

غرض مسلمان کو کسبِ معاش میں ہمت دکھانے مگر رزق کو بانٹ کر کھانے کا حکم ہے۔ مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ خاندان کے جوان کماتے ہیں مگر گھر میں سب مل کر کھاتے ہیں۔ جب تک نسلِ انسانی میں ان آیات کے مطابق سپرٹ پیدا نہ ہوگی۔ دنیا امن کا منہ نہ دیکھے گی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس صاف حکم میں مسلمان مفسرین نے کچھ زیادہ اختلاف نہیں کیا۔ بلکہ سب کا برابر حق تسلیم کیا ہے۔ ایسے ہی کھلے احکامات کے باعث اسلام نے "مساوات کا مذہب" کا نام پایا ہے۔ لیکن مولانا اسی پاک چشمے میں امراء کی گلی سڑی لاشوں کو ڈھونڈھ رہے ہیں اور سوچتے ہی نہیں کہ امیر کی اصطلاح ان پر عائد ہوتی ہے۔ جو سرمایہ جمع کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن میں خرچ ہی خرچ ہے جمع کہیں نہیں۔ وہ بھی فوری خرچ۔ جہاں جمع کا اطلاق ہوا۔ وہیں یہ آیت چسپاں ہوئی۔ سورۂ توبہ پارہ دسویں:

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ
فبشرھم بعذاب الیم ۝ یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی
بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم
لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون ۝

ترجمہ:۔ اور جو لوگ چاندی اور سونا اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے ہیں۔ اور اللہ کی راہ میں اسے نہیں خرچ کرتے تو ایسے لوگوں کو عذاب دردناک کی خوشخبری سنا دو۔ عذاب دردناک کا وہ دن جب ان کا جمع کیا ہوا سونے چاندی کا ڈھیر دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ اور اس سے ان کے ماتھے اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور اس وقت کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے اپنے واسطے ذخیرہ کیا تھا۔ سو جو کچھ ذخیرہ کر کے جمع کرتے رہے۔ اس کا مزہ آج لو۔"

جس قوم پر یہ آیت اتری ہو اس قوم کا ایک مفتی اس زمانے میں کھڑا ہو کر یہ کہتا ہے کہ اسلام میں طبقات ہیں! امیر اور غریب ہمیشہ قائم رہیں گے! وہ ایسا کیوں کہتا ہے؟ اس لیے نہیں کہ خدانخواستہ اس کے دل میں اسلام کی نفرت ہے۔ نہیں! بلکہ وہ اسی حال میں پیدا ہوتا ہے کہ صوفیاء اور علماء کو پختہ مکانوں میں آرام کرتے، عمدہ سے عمدہ لباس پہنتے، کئی کئی کھانے کھاتے دیکھتا ہے، ناچار وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ یہی اسلام ہے، اسے یہ سوچنے کی مہلت نہیں کہ علماء اور صوفیا نے جو اپنے لیے عالیشان عمارتیں بنائی ہیں۔ وہ پہلے اسی آیت کی خلاف ورزی کر کے چاندی اور سونا اپنے اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے ہیں۔ اور اللہ کی راہ میں اسے نہیں خرچ کرتے تو اللہ انہیں دردناک عذاب کی برابر خوشخبری دیتا ہے۔ لیکن وہ اس طرف دھیان نہیں دیتے اور اپنے حال میں خوش ہیں۔ اور اپنی حرکتوں کو عین اسلام سمجھ رہے ہیں۔ اور اس کے جواز میں قرآن حکیم ہی کو توڑ مروڑ کر پیش کر رہے ہیں۔

کیا فرماتے ہیں مولانا کہ میری آپ کی اسلامی زندگی ہے جو ہم پائی پائی کر کے آنے بناتے ہیں اس کے روپے اور روپے کے پونڈ تیار کر کے سینکڑوں پونڈ یعنی ہزاروں روپے مکان پر خرچ کرتے ہیں۔

مسلمانوں کی غریب آبادی کے درمیان امتیازی شان سے رہتے ہیں خدا کا شکر ہے کہ افضل حق گناہ گر کے نادم ہے۔ اپنی زندگی کو باوجود ہزار احتیاطوں کے ابھی تک غیر اسلامی ہی سمجھتا ہے۔ لیکن اس امر کا مرتکب نہیں کہ اپنی اور اپنے عزیزوں کی سرمایہ دارانہ زندگی کا جواز قرآن میں تلاش کرے قرآن کو مسلمانوں کی موجودہ غیر اسلامی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ میں گناہوں کو عین اسلام بنا کر خدا کی رحمت سے محروم ہونا نہیں چاہتا۔ ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عمل کا جائزہ لے:

"عام معیارِ زیست سے جو اونچا ہے گا وہ عاقبت میں نیچا دیکھے گا۔ اگر یہ اصول اسلام میں جاری اور ساری نہ ہوتا تو رسولِ کریمؐ اپنے ایک اصحابی سے جس نے پختہ مکان بنوا لیا تھا۔ کلام ترک نہ فرماتے۔"

معلوم ہے کہ جب تک وہ مکان گرا کر حاضر نہ ہوئے۔ حضورؐ نے ان کو مخاطب نہ فرمایا:

"رسولِ کریمؐ کے زمانہ میں آپ کا یہ مضمون کفر ہوتا ——————

—————— آج آپ کے ردّ میں میرا یہ مضمون کفر سمجھا جائے گا۔ اسلام میں فرق نہیں بلکہ ماحول میں فرق ہے۔"

جب حمام میں سب ہی ننگے ہوں تو کوئی کسی کو طعنہ کیا دے؟ حمام میں ننگا ہونا ہی معیارِ شرافت ہے۔ اب جب کہ ہر مولوی اور صوفی امیرانہ ٹھاٹھ

کی جستجو میں ہے۔ میں کس سے کہوں کہ اسلام میں طبقات نہیں ہیں۔ ہاں نہیں ہیں۔

غضب پر غضب

قاسمی صاحب کا ایک اور کمال دیکھئے فرماتے ہیں:

"ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک عالم کا نظام جس نہج پر چل رہا ہے اس میں ہر چیز کے اندر اختلاف مراتب، تفاوت مراتب احوال اور مدارج کا تنوع کارفرما ہے۔ زیادہ مثالیں پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ انسان ہی کو دیکھئے کوئی خادم ہے کوئی مخدوم۔ کوئی راعی ہے کوئی رعایا۔ ایک شخص غلیظ اور متعفن نالیاں صاف کر کے پیٹ پال رہا ہے۔ دوسرا شخص شیش محل میں تخت پر بیٹھ کر احکام نافذ کر رہا ہے۔ ایک شخص قلی ہے دوسرا حکومت کا ڈکٹیٹر۔ ان امتیازات کو اشراکیت و مساوات کے بڑے بڑے دعویدار بھی آج تک نہ اٹھا سکے۔ لینن اور اسٹالن نے آخر مزدوروں پر حکومت ہی کی۔ وہ مزدوروں کو ڈکٹیٹر نہ بنا سکے۔ معلوم ہوا کہ دنیا کا نظام اسی اختلافِ مراتب پر چل رہا ہے۔ اور اس اختلاف کو مٹانے کی کوشش کرنا عالم کے نظام کو درہم برہم کرنے کے برابر ہے۔"

یہ تحریر کس کی ہے؟ مولانا قاسمی کی۔ مگر منسوب ہے خدا کی طرف ظاہر وہ یہ کرنا چاہتے ہیں کہ:

"کسی کا شیش محل میں تخت پر بیٹھ کر احکام نافذ کرنا"

اور:

"کسی کا غبیط اور متعفق نالیاں صاف کرے"

پیٹ پالنا خدا کا کارخانہ ہے۔ جو شخص بادشاہوں کو تختِ شاہی سے محروم کرنے کی کوشش کرے گا۔ جو اچھوتوں کا درجہ بلند کرے گا۔ وہ خدا کا نافرمان اور نظام کو درہم برہم کرنے کا مجرم ہوگا۔ لیجئے اسلام میں صرف معمولی امراد کے وجود ہی کا نہیں بلکہ خدا مولانا کی عمر میں برکت دے۔ اسلام میں شہنشاہیت کا جواز بھی نکل آیا ع

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

مولانا محترم آپ کے پیغمبر پاک نے "شیش محل میں تخت پر بیٹھ کر" حکم نافذ کئے؟ خلیفہ اوّل، خلیفہ دوم، خلیفہ سوم، خلیفہ چہارم نے کئے تھے؟ اگر میرے جیسا شخص یہ باتیں لکھتا تو ضرور ہر طرف سے ملامت ہوتی۔ مگر آپ عالم دین ہیں۔ قیاس یہی ہے کہ ضرور آپ نے قرآن اور حدیث کی روشنی میں یہ سب کچھ لکھا ہوگا۔ لیکن کہاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا سادہ دین اور "کہاں شیش محل میں تخت پر بیٹھ کر حکم نافذ کرنے" والی شہنشاہی۔ تبھی تو مولانا باصرار مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ میں بتاؤں کہ امراد کے خاتمے اور ان کی املاک کی ضبطی پر استدلال کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

جاگیرداری اور اسلام

بعض اوقات اربابِ علم بھی جان کر انجان بن جاتے ہیں یا بعض اوقات واقعی بھول جاتے ہیں۔ ان کے بھولے مولانا کو باوجودِ علم کا دریا ہونے کے اسلام کا بڑا مسئلہ بھول گیا کہ:

"اسلام میں تعلق داری اور جاگیرداری کا سرے سے وجود ہی نہیں"

مگر طبیعت اس پر تلی ہوئی ہے کہ جاگیرداروں، سرمایہ داروں، بادشاہوں اور شہنشاہوں کے وجود کو از روئے قرآن و حدیث ثابت کیا جائے چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضؓ پر یہ الزام دھر دیا کہ آپ نے تعلقہ داروں اور جاگیرداروں کے قیام کی سند دی تھی "الفاروق" کے حوالے سے یہ لکھا:

"جو لوگ قدیم زمیندار اور تعلقہ دار تھے۔ اور جن کو ایرانی زبان میں مرزبان اور دہقان کہتے ہیں۔ حضرت عمر رضؓ نے ان کی حالت اسی طرح قائم رہنے دی اور ان کو جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحالی رکھے اور صرف یہی نہیں کہ آپ نے سابقہ جاگیروں کو بحال رکھا۔ بلکہ مسلمانوں کو ان کی اسلامی خدمات کے صلے میں جاگیر عطا کی جاتی تھی۔"

مولانا محترم کو میرے کہنے پر اعتبار آئے نہ آئے۔ کیونکہ کہنے والا ان کے خیال میں اشتراکی ہے۔ پھر انگریزی خواں، عربی خواں کے نزدیک علم اسلامی سے ازلی اور ابدی طور پر محروم سمجھے گئے ہیں۔ اس لیے استدعا ہے کہ کسی عالم دین سے پوچھ لیں کہ اسلام جاگیرداری کا متحمل ہے یا نہیں۔ ایسا ضرور ہوا۔ مگر یہ تعلیم اسلامی کی طرف اشارہ نہیں بلکہ کیفیت اضطراری اور وقتی ضرورت کے ماتحت ہوا ہوگا۔ ایسا ہونا بھی چاہیئے، جب تک ممالک مفتوحہ میں امن کا دور دورہ نہ ہو اور حالات شریعت کے اقتصادی حصے کو قبول کرنے کے قابل نہ ہو جائیں۔ تب تک ان کا اجرا فراست فاروقی تو کیا ادنیٰ مومن کی فراست کے قرین نہیں۔ لو اتنی بات کا مولانا نے افسانہ کر دیا۔ اور

تاریخ اسلام میں فاروقِ اعظمؓ کے اس بڑے فیصلے کو نظر انداز کر دیا۔ جس کی رُو سے آپ نے حضرت بلالؓ کی املاک کو ضرورت سے زیادہ سمجھ کر باوجود اِن کی ناراضگی کے ضبط قرار دیا۔

کیا واقعی مولانا کو نبی کریمؐ کا حکم اور صحابہ کرام کا اس پر عمل یاد نہیں رہا۔ جس کی رو سے زائد از ضرورت زمین رکھنے اور مزارعین کو پٹے پر زمین دینے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔

۱۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ کے حوالے سے جو حدیث بیان ہوئی اس کو ملاحظہ فرمائیں، جس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بعض لوگوں کے پاس ضرورت سے زیادہ اراضیات تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ یہ لوگ خود کاشت کریں یا دوسرے مسلمان بھائیوں کو دیں۔ لیکن کسی حال میں پٹے پر نہ دیں۔

۲۔ اسی طرح حضرت رافع کی روایت ہے کہ ہم دوسرے مزارعین کو زمین پٹے پر دیا کرتے تھے۔ ہمارے قریبیوں میں سے ایک نے آکر اطلاع دی کہ سرورِ کائناتؐ نے زمین ٹھیکے پر دینا منع کر دیا اگرچہ یہ منفعت بخش کام تھا۔ مگر ہم نے اس کو ترک کر دیا۔ کیونکہ خدا کے فرستادہ کا حکم ماننا زیادہ فائدہ بخش تھا۔

۳۔ سیدنا عمر فاروق رضؓ نے اپنے عہد میں صحابہ کرام کی جائدادوں کا جائزہ لیا۔ اور جن کے پاس ان کی ضرورت سے زائد اراضیات تھیں۔ اِن کو ضبط کر لیا۔ یہاں تک کہ حضرت بلالؓ بھی نہ بچے۔"

(حوالہ کنز العمال ص ۱۹۱)

نوٹ:۔ یہ حوالہ جات میں نے اپنے انگریزی نوٹوں کے ترجمے سے دیئے ہیں شاید کوئی معمولی لفظی فرق ہو، مگر مفہوم کا فرق نہیں ہوگا۔"

غرض ان احادیث کی موجودگی میں حضرت عمرؓ پر یہ صریح اتہام ہے کہ کوئی کہے کہ آپ نے جاگیرداری کی اجازت بطور مثال قائم کی۔ جہاں ملکی حالات مساعد ہوئے۔ آپ نے ان احادیث کے مطابق حکم جاری کئے۔

مملکت ایران کے جس حال کا حوالہ مولانا شبلیؒ نے دیا ہے اس میں انہوں نے تفصیل سے یہ نہیں بتایا کہ وہاں سسٹم جاگیرداری تھا یا ملکیت ملکی عوام میں بطور دہقان تقسیم تھی۔ آیا وہاں کے ملکی حالات اسلام کے مطابق اقتصادی انقلاب کے لیے فوراً تیار تھے یا نہیں۔ لیکن مصر کے متعلق تو معاملہ بہت صاف ہے کہ وہاں جاگیرداری تھی۔ جس کو حضرت عمر فاروقؓ نے نہ صرف حکماً روک دیا ہے۔ بلکہ مسلمانوں کو وہاں زمین خریدنے کے حق سے بھی محروم کر دیا۔ مبادا یہ بھی وہاں غریب آبادی کی تکلیف کا باعث ہوں۔ جب عراق فتح ہوا تو تیغ زن مجاہدوں نے اسے بطور جاگیر مانگا۔ لیکن حضرت فاروقِ اعظمؓ نے صاف انکار کر دیا۔

مصر کے واقعے پر اشتراکی رائے

اشتراکی دنیا نبوت کی قائل کہاں؟ وہ لوگ موجودہ اشتراکی دور کو تاریخ اور زمانے کے حالات کا قدرتی تقاضا سمجھتے ہیں۔ اور قیاس کرتے ہیں کہ صرف کارل مارکس مساوات انسانی کے ذہن کا پروردگار تھا۔ اور صرف اسی زمانے میں یہ ذہن پیدا ہو سکتا تھا۔ اب جب حضرت عمرؓ فاتح مصر کی رپورٹ پڑھی۔ تو تعجب کر کے کہا کہ یہ خیال اپنے وقت سے تیرہ سو سال

پہلے کسی کے دماغ میں کیسے آ گئے۔

ملاحظہ ہو اقتباس رپورٹ جو فاتح مصر نے خلیفہ عمرؓ کے حضور میں ارسال کی:

"یہاں کے غریب کسانوں کے دل بادل جو مصر کی سرزمین کو سیاہ کرتے ہیں۔ محنتی چیونٹیوں کی قطار اندر قطار تعداد کے مشابہ ہیں۔ جن کی سستی کو آقا چابک سے چستی میں بدلتا ہے۔ لیکن ان کی محنت سے جو دولت حاصل ہوتی ہے۔ مالک اور مزارعہ میں برابر تقسیم نہیں ہوتی۔"

جس قوم کے سردار دولت کی غیر مساوی تقسیم کو غیروں میں بھی برداشت نہ کر کے دردناک صورت حالات کی اطلاع بغرض اصلاح خلیفہ کو دیتے تھے۔ آج اسی قوم کے علماء امراء کا جواز اسلام میں ڈھونڈتے ہیں۔

مسٹر ایم۔ این۔ رائے ہر تاریخی واقعہ کو وقت کی پیداوار اور ماحول کے اثر کا نتیجہ بیان کرتے کرتے جب اس رپورٹ کو پڑھتا ہے تو اپنے نظریئے کو بھول کر بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ:

"یہ خیالات تو اپنے زمانے سے بہت پہلے کے ہیں۔ پرانی تہذیبوں کی حامل سرزمینوں میں اقتصادی مساوات کے حامل یہ خیالات کہاں؟"

دنیا اسلام کی جن اقتصادی مساوات کی کوششوں کو دیکھ کر ورطۂ حیرت میں ہے۔ مولانا قاسمی صاحب اب حیرانی کے گرداب سے نکالنے کی یہ کہہ کر سعی فرما رہے ہیں کہ:

"اسلام میں طبقات ہیں۔"

"جاگیرداری ہے"۔ "شہنشاہی ہے"۔ جو شیش محل میں تخت پر بیٹھ کر حکم جاری کرنے والوں کی مخالفت کرے گا، وہ نظام عالم کو درہم برہم کرنے کا مرتکب ہوگا!

یہ اس دین کے عالم کا خیال ہے جسکا پیغمبر نہ صرف شیش محل میں نہ بیٹھا۔ بلکہ پیٹ بھر کر کھانا بھی نہ کھایا۔ جس کے واجب الاطاعت خلفاء نے باوجود ایک دنیا کا بادشاہ ہونے کے پختہ مکان نہ بنوایا۔ دروازہ پر دربان نہ رکھا اور عمر بھر عامی عرب کی زندگی بسر کی۔

کنز اور جاگیرداری

ارباب عقل غور کریں۔ جو مذہب چاندی کے سکے جمع کرنے پر دوزخ کی آگ سے پگھلا کر انہیں کے چونڑا داغنے کی دھمکی دے وہ جاگیرداری کا متحمل ہو سکتا ہے؟ ہاں یہ ممکن ہے کہ مناسب معلومات نہ ملنے سے حکم غلطی سے ایسا جاری ہو گیا ہو۔ جو بعد میں خلاف شریعت صورت رکھتا نظر آیا۔ لیکن جب بھی اس طرف توجہ دلائی گئی۔ اصلاح کر لی گئی۔ کان نمک کا مشہور واقعہ کا حوالہ کافی ہے۔ اور نبی کریم کا اس پر اپنا حکم لوٹا لینا اس امر کا شاہد عادل ہے کہ مسلمہ اصولوں کے خلاف بعض صورتیں جو اسی طرح پیدا ہو گئی ہوں گی۔ وہ مستند نہیں جب سیدنا عمر فاروق رضؓ نے دوبارہ املاک کا جائزہ لے کر زائد از ضرورت جائیدادیں ضبط کیں تو بعض صحابہ نے یہ عذر اٹھایا تھا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں عطا ہوئی ہیں۔ فاروق اعظم کا محولہ عذر عذر معقول تھا اس لیے باوجود شدید احتجاج کے حضرت بلال رضؓ کی املاک بھی ضبطی سے نہ بچیں۔ کیونکہ جاگیرداری اور زائد از ضرورت

ارا ضیات نہ رکھنے کا حکم صاف اور صریح موجود تھا۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ جاگیر داری کے خلاف احادیث خاموش بھی ہوتیں تو بھی کنز والی آیات کی موجودگی میں کوئی خدا ترس مفتی جاگیر داری کے حق میں فتوے نہ دے سکتا تھا:

چاندی اور سونا کیا ہے؟ جنسوں میں تبادلے کا ہر دلعزیز یا مروّجہ معیار ہے۔ اصل حکم تو جنسوں کے جمع کرنے کے خلاف ہے۔"

مجرّد سونے چاندی کو کنز کرنے پر اعتراض مقصود نہیں۔ اگر کوئی شخص سونا چاندی جمع نہ کرے اور دوسری جنس جمع کرتا ہے تو کیا وہ اس وعید سے بچ جائے گا؟ اگر یہ صورت ہوتی تو خود مولانا اکتناز کے ساتھ احتکار کی حُرمت کو تسلیم نہ کرتے۔ زمین تو اکتناز اور احتکار دونوں کی جان ہے یہ کیسے حرمت سے بچ گئی کہ اس کو جو چاہے جتنی چاہے رکھے؟

گڑ کھانا اور گلگوں سے پرہیز کرنا مفتیانہ چالاکی ہے۔ مگر خدا کے ہاں ایسی چالاکی نہیں چل سکتی۔"

شخصی جائیداد اور اسلام کے اقتصادی حدود

خود مولانا کا قول ہے کہ احتکار (غلہ وغیرہ جمع کرنا) اکتناز (سونا چاندی جمع کرنا) سود قمار بازی، سٹہ۔ بنک۔ بیمہ وغیرہ کا اسلام قطعاً متحمل نہیں۔ اس کے ساتھ علماء کو پوچھ کر جاگیر داری اور زمینداری کو بھی شامل کر لیجئے۔ پھر بتائیے کہ دنیا کا کوئی انسان امیر رہ سکتا ہے تو میں ہارا اور مولانا جیتے۔ لیکن یاد رہے کہ شخصی جائیداد کا وہی مفہوم ہے جو آجکل علماء لے رہے ہیں۔ یعنی اپنی منشاء کے مطابق خرچ کرنا:

"بدقسمتی سے ہندوستان میں سو فیصدی علماء اسلام کی شخصی ملکیت کو انگریزی قانون کے مطابق پرسنل پراپرٹی سمجھ کر۔ بحث کرتے ہیں۔ انگریزی قانون میں مالک اعلیٰ خود انسان ہی ہے اسلام کے نزدیک مالکِ اعلیٰ خدا ہے۔ انسان نہیں۔ وہ صرف امین ہے یا مزارعہ تابع مرضی مالک ہے۔ کم از کم میرا دماغ تو یہ قبول نہیں کرتا کہ ان اقتصادی حدود کو قائم رکھ کر بجز شرعی مسکین کے کسی اور صورت میں انسان رہ سکتا ہے؟

پس قرونِ اولیٰ میں دو گروہ تھے۔ ایک وہ جو اسلام کے اقتصادی حدود پورے طور پر ظاہر صورت میں قائم رکھنے پر مصر تھا۔ روزانہ کمانا اور روزانہ اپنی کم از کم ضرورتوں پر صرف کر کے باقی نامِ مولا روزانہ خرچ ڈالتا ان کا اصول زندگی تھا۔ ایک دوسرا گروہ تھا جو صحیح مفتیانہ تنقیحات کو پیشِ نظر رکھتا تھا۔ جان اور بے جان رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ سورۂ توبہ کی کنز والی آیات کے ایک حصّے میں پناہ لیتا تھا:

"(یعنی) جو لوگ چاندی اور سونا اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ....

میں سے محط کشیدہ حصّے میں پناہ لیتا تھا۔ وہ روزانہ خرچ کرنے کی بجائے مناسب وقت پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے ارادے سے سال جمع کرتے تھے یہ نہ تھا کہ پختہ مکان بنا لیں۔ اس میں بجلیاں فٹ کرا لیں۔ اور گرمیوں میں پنکھا چھوڑ کر میری اور آپ کی طرح اسلام میں امیری کے جواز اور عدم جواز پر مضامین لکھیں۔ یا خوب مرغن غذائیں کھائیں اور وعظ یہ فرمائیں کہ نبی کریمؐ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا۔ خود فاخرہ لباس پہنیں اور فاروق اعظمؓ کے پیوند لگے لباس پر فخر کریں۔

زکوٰۃ اور شخصی ملکیت

غرض آپ خود غور فرمائیں گے کہ:

"قرآن کی اقتصادی حدود تو مسکین بنائے بغیر ہمیں چھوڑتی نہیں"

اگر راہِ حق میں خرچ کرنے کی نیت سے مناسب وقت کے انتظار میں مال بغرض امانت اپنے پاس رکھا جائے تو اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں اس لیے جن پر دنیا سے دین زیادہ غالب تھے انہوں نے مسکین رہنا پسند کیا۔ مال و دولت کی آگ سے دامن بچا کر رکھا۔ سچ یہ ہے کہ ایسے ہی لوگ خالص اسلامی نظام میں اپنی ذات اور ملت کے لیے زیادہ مفید رہتے ہیں کیونکہ اللہ بھی ان کے حال سے خوش اور بیت المال ہر وقت ان کی پشت پناہی پر اور وہ ہر حال میں قومی خزانے کے حقدار تھے اور سرمایہ کو بطور امانت رکھنے والوں کی طرح ہر وقت خوفِ خدا اور خلیفہ برحق کی تیز نگاہ سے ڈرنا بچنا نہ پڑتا تھا:

"لیکن کسی مسلمان نے مال و املاک کو شخصی جائیداد نہیں سمجھا"

اگر مسلمان کی جائیداد شخصی ہوتی تو اس پر انکم ٹیکس ہوتا۔ زکوٰۃ نہ ہوتی۔ کیونکہ زکوٰۃ تو صاف اصل زر سے حصہ نکالنا ہے۔ آمدن سے حصہ دینا نہیں پس مولانا نے اشتراکیت اور اسلام کا تضاد ظاہر کرنے کی گرم جوشی میں ابتداء ہی میں غلطی کھائی اور فرمایا کہ اشتراکی نظام تو وراثت اور ملکیت کا مخالف ہے مگر اسلام شخصی ملکیت کا حق تسلیم کرتا ہے۔ اسی لیے تو مولانا نے عالمانہ احتیاط سے سورۂ زخرف کا حوالہ دیا۔ سورۂ نحل کو نظر انداز کر دیا۔ مبادا اسلام میں مساوی تقسیم

کو تسلیم کرنا پڑے۔

چاہے تفصیلات میں اختلاف ہو۔

"مگر اشتراکیت اور اسلام میں ملکیت کا ایک اصول ہے"

وہ لوگ خدا کو نہیں مانتے۔ اس لیے براہِ راست حکومت کو جائیداد قومی کا حاکم سمجھتے ہیں۔ اسلام میں ملکیت خدا کی طرف منسوب ہے۔ اس کی وساطت سے حکومتِ برحق یا خلافتِ شرعیہ کو وہ ملکیت ملتی ہے۔ اشتراکی روس میں امیر و غریب کی صورت بطور قانون کی استثناء کے قائم رہ گئی ہو۔ تو رہ گئی ہو لیکن اسلام میں تو وہ صورت بھی نہ تھی۔ عام اسلامی سوسائٹی اس تفریق کی متحمل ہی نہ تھی قیاس کرو کہ جب صوبہ جات کے گورنروں کی پختہ ڈیوڑھیوں کو آگ لگا دی گئی تو دوسروں کو اسلامی سوسائٹی میں امتیاز پیدا کرتے اور عام درجے سے بلند ہونے کی اجازت کہاں؟

فاروقی دور میں جو نبی کریمؐ کے بعد اسلامی تاریخ کا زریں باب تھا سرمایہ دارانہ حرکات پر فاروقی کوڑا پڑتا تھا۔ اس دور میں سرمایہ داری دم توڑ چکی تھی۔ زائد از ضرورت املاک ضبط ہو چکی تھیں، روپے کے استعمال پر برابر نظر تھی۔ جہاں کہیں بے محل خرچ ہوا۔ وہیں دھر لیا گیا۔ عہدِ اسلامی کا وہ عبرت آفرین واقعہ جو معزولی خالد کے نام سے دنیا کو یاد ہے۔ کیا مولانا کو بھول گیا کہ وہ شخصی ملکیت کا سرمایہ دارانہ تصور باندھے بیٹھے ہیں؟

خلیفہ وقت کا حق ہے کہ وہ پرائیویٹ اخراجات کی جانچ پڑتال کرے کیونکہ اسلام میں کسی مسلمان کی پرائیویٹ پراپرٹی یعنی شخصی ملکیت اور بیت المال کی املاک میں کوئی فرق نہیں"

جو بھی مسلمانوں کے پاس ذاتی جائیداد ہے وہ خدا کی معرفت خلیفہ کی

ہے۔ اس پر خلیفہ کو مواخذہ کرنے کا حق ہے۔

حضرتِ خالدؓ کی معزولی

کبھی شکست کا منہ نہ دیکھنے والا اسلام کا قابلِ فخر فرزند خالدؓ بن ولید جب دس ہزار کی رقم خوش ہو کر ایک شاعر کو دے بیٹھا تو یہ خبر پر لگا کر دین کو ہر چیز پر مقدم رکھنے والے خلیفہ عمرؓ کے کان میں اڑتی اڑتی پہنچی۔ جانتے ہیں ان پر کیا تنقیحات قائم ہوئیں۔

اوّل :۔ اگر تم نے یہ روپیہ بیت المال سے خرچ کیا تو خیانت کی۔

دوم :۔ اگر جیب سے کیا تو اسراف کیا۔

لہٰذا حضرت بلالؓ کو حکم ہوا کہ اس بے مثل جرنیل سے ان دو تنقیحات کا جواب پوچھا جائے۔ مناسب جواب نہ ملے تو خالدؓ کی پگڑی اُتار۔ اس کے گلے میں ڈال کر بر سرِ عام کھینچا جائے۔ اس زمانے میں معزولی کا یہی اعلان تھا۔ دنیا جانتی ہے کہ ایسا ہی عمل میں آیا۔ اور خالدؓ سرداری سے معزول ہوئے۔

"اگر شخصی ملکیت اور بیت کی املاک میں کوئی فرق ہوتا تو اسراف اور خیانت کی سزا ایک ہی تجویز نہ ہوتی"

اسراف اور خیانت اگرچہ الگ الگ اصطلاحات ہیں۔ مگر نوعیت ان کی ایک ہی ہے۔ بیت المال جو خلیفہ کے تصرّف میں ہے۔ شخصی ملکیت جو افراد کے پاس ہے۔ وہ درحقیقت خدا کی چیز ہے اور اسی کی امانت ہے۔ پس املاک اور جائیداد کا کوئی مالک نہیں۔

افراد کے پاس جو جائیداد ہے وہ بھی سرکاری ہے شخصی نہیں"

ہر ملازم کچھ نہ کچھ رقم بطور زرِ پیشگی اس سرمایہ داری کے نظام میں اور اشتراکی نظام میں بھی رکھتا ہے۔ اس رقم کا غلط استعمال ایسا ہی ہے۔ جیسا سرکاری خزانے سے غبن۔

پس مسلمان کا مال بیت المال ہی کا حصّہ ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خالدؓ بن ولید پر مواخذہ نہ ہوتا۔ اور اسراف اور خیانت کی ایک سزا تجویز نہ ہوتی۔

خلیفہ کو مسلمانوں کی اِملاک پر پُورا اختیار ہے

کیا کہوں مولانا قاسمی جیسے جیّد عالم نے کیا کا کیا لکھ دیا ہے۔ خدا گواہ ہے کہ مولانا کا یہ کہنا مجھے بالکل انوکھی بات معلوم ہوتی ہے کہ دولت کی تقسیم کا اختیار حکومت کے ہاتھ میں نہیں۔ عقل کو کہاں تک گھسیٹوں۔ عقل سے زیادہ نقل مسکت ثابت ہوگی۔ اس لیے حجۃ اللہ جلد دوم کے ص ۱۳۲ کے حوالے سے یہ عرض کرتا ہوں :

"خدا کے پیغمبر اور خلیفہ کو اراضیات پر پورا حق ہے کہ وہ خدا کی فوج کے سپاہیوں کو دے۔ یا مال وقف قرار دے۔ یا امن سے رہنے والے غیر مسلموں میں تقسیم کرے"

یاد رہے کہ زمین ہی ہر قسم کی ملکیتوں کی پروردگار ہے۔ اب بتائیے کہ مولانا کی تصریحات کو کیا سمجھا جائے ؟

یاد رہے کہ اسلامی اور اشتراکی دونوں نظاموں میں افراد کے قبضے میں بعض املاک دینے کے سوا چارہ نہیں"

اوّل تو کوئی نظام اب سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا۔ جس میں جائیدادیں افراد کے

قبضے میں نہ ہوں:

لیکن یہ قبضہ اشتراکی اور اسلامی نظام میں ذاتی نہیں قومی ہے۔"

اور خلیفۂ برحق کو اس میں پورے اختیارات ہیں، اشتراکی نظام میں ایسی خامی ہے کہ وہ افراد کے قبضے میں املاک دے کر خرچ کی تفصیل کا محاسبہ اسلام کی طرح نہیں کرتا۔ اشتراکی ڈکٹیٹر پھر فاروقِ اعظم کی طرح خالدین ولید سے نہیں پوچھتا کہ تم نے اپنی آمدن اور مال میں فلاں شاعر کو اتنی رقم کیوں دی؟ تم نے یہ لباس کیوں پہنا؟ اتنے کھانے کیوں چنے۔ فلاں فضول خرچی کیوں کی؟ یہ صرف اسلام ہی ہے جو املاک کو قبضے میں دے کر صرف زکوٰۃ و خیرات لے کر ہی چھٹکارا نہیں کرتا۔ بلکہ روزانہ خرچ کی تفصیل مانگ کر جان عذاب میں کر دیتا ہے۔ سچے مسلمان کی جان دھڑک جاتی ہے کہ کہیں بروئے اسلام اسراف تو نہیں ہو گیا۔ اور میں خدا اور اسلامی قانون کی نظر میں خائن تو نہیں ہو گیا:

اسلام کی نگاہ میں تو ہندوستان کے سارے ہی درمیانے اور اوپر کے طبقے کے لوگ مسرف اور خائن ہیں۔ کسی، عالم، صوفی اور لیڈر نے اپنے خرچ کو اسلامی رکھا ہوا ہے؟

تب ہی تو مجھ میں اور آپ میں یہ ہمت ہے کہ ہم یہ کہیں اسلام میں طبقات ہیں اور فخر اس پر کریں۔ اور قرآن حدیث لیے لیے پھریں کہ اسلام میں تو غلام کا درجہ برابر بھائی کے ہے۔ مالک کو حکم ہے کہ غلام کو وہ کھلائے جو خود کھائے۔ وہ پہنائے جو خود پہنے۔

غلام اور آقا

جس مذہب کا عالم ایک ہی منہ سے یہ کہے کہ غلام اور آقا میں اسلام کی

رُو سے صرف اصطلاحی فرق ہے۔ اور اسلام کسی حقیقی فرق کو تسلیم نہیں کرتا۔ آج دوسرے منہ سے مجھ سے یہ منوانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے آزاد فرزندوں میں طبقات ہیں یا تو فخریہ کہ:

خلیفہ عمرؓ اور ان کے غلام میں یروشلم کے سردار اور پادری فرق نہ کر سکے۔ اور داخلہ شہر کے وقت خود خلیفہ غلام کے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے تھا۔"

یا اسی منہ سے یہ اصرار کہ:

"اسلام میں طبقات ہیں۔ جو ان کو درہم برہم کرے گا وہ خدائی نظام کو درہم برہم کرے گا۔"

جس مذہب میں حضرت اسامہؓ جیسے نوعمر غلام زادے کو میرے نبیؐ نے اسلامی فوج کا سردار مقرر کر کے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور حیدرؓ کو اس کے تابع فرمان ہونے کا حکم دیا۔ اور جس نبی کریمؐ کے حکم کو خلیفہ اوّل نے اسامہؓ کی رکاب تھام کر شہر سے پا پیادہ نکل کر پورا کیا۔ آج اسی مذہب کے علماء اسلام میں امراء کا جواز تلاش کر رہے ہیں۔ جن امراء کی مذمّت اور سیاہ کاریوں کی سارا قرآن تفصیل ہے:

اگر ان امراء کی نافرمانیوں کے ذکر کو قرآن سے نکال دیا جائے تو تیس سپاروں کا مضمون ایک سپارے میں آجاتا ہے۔"

مولانا! خدارا قرآن کا مطالعہ فرمائیے اور دیکھئے۔ یہی امراء خدا کا باغی گروہ ہے۔ یہی لوگ تو قوموں کی گمراہی اور ملکوں میں فساد کی بنیاد ہیں۔

ان ہی کے خاتمے سے اسلام زندہ ہو گا۔"

اور اخوّت و مساوات کے نظارے دیکھنے میں آئیں گے۔ امراء کو قائم

رکھنا ہے تو اخوت و مساوات کے معنے ذرا مسلمان کو سمجھا دینا۔

یہ مضمون بے شک تشنۂ تکمیل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا قاسمی فرماتے ہیں کہ ابھی ان کے ترکش میں اور تیر ہیں۔ جو امراء کی طرفداری میں غریبوں پر برسائے جا سکتے ہیں۔ پہلے وہ خالی ہو لیں۔ پھر مکمّل جواب دوں گا کہ:

ملّت میں طبقات اسلامی تعلیم کی موت ہے"

مولانا اور ان کے ہم خیال علماء کو اس سعی ناکام سے توبہ کرنی چاہیئے۔ ہیں ابھی ان آیات کی طرف نہیں آیا۔ جو زمانۂ حال کے اشتراکی کو حیران کر دیں گی۔ کہ یہ خیالات ڈیڑھ ہزار برس پہلے انسان کے ذہن میں کیوں کر آ سکتے ہیں؟ تب میں کہوں گا کہ جان برادر! قرآن انسانی دماغ کی پیداوار نہیں۔

بہرحال مجھے مولانا کی تحریر سے بہت مایوسی ہوئی ہے۔ اگر ایسے بے بدل عالم کا یہ حال ہے تو بدیگراں چہ رسد کا معاملہ ہے۔ ایسے وسیع مطالعہ کا مالک اگر یوں باتیں کرے تو پھر دین کا خدا حافظ۔

میں مولانا کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ ان کا وسیع علم اور سعید روح محض ماحول کا شکار ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ تھوڑی سی علمی آویزش اور معمولی سی کاوش کے بعد اسلام کی روح، اخوت، مساوات کے قائل ہو کر سرمایہ داری کے موجودہ نظام پر لعنت بھیجیں گے"

اور وہ شیش محل میں تخت پر بیٹھ کر حکم نافذ کرنے والوں کو قوم کے جسم کے لیے پھوڑا پھنسی سمجھیں گے۔ جس کے لیے اسلام کے تیز نشتر کی ضرورت ہے۔

سُرخ رُوس خُدا اور مذہب کا باغی کیوں ہُوا؟

اس کا پس منظر یہ ہے کہ زاروں اور ملکی سرداروں نے جب روس کے عوام کو موجودہ ہندوستان کے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی طرح بدحال کر دیا تو اس حصّے کی اولادِ آدمؑ نے سوچنا شروع کیا کہ کیا یہ زار اور سردار انسان نہیں جو عمر بھر یوں عیش اڑاتے ہیں۔ اور ہم زندگی بھر غم کھاتے ہیں؟ اگر یہ لوگ بھی انسان ہیں۔ تو تفاوت کیوں؟ جب اس خیال نے عمل کی راہیں سوچنی شروع کیں۔ تو قانون مروجّہ نے للکارا۔ کہ اگر سر اٹھایا تو پولیس کا ڈنڈا سر پر پڑے گا۔ مگر غریب کو بھی پیٹ لگا تھا۔ اس دوزخ کی آگ کیسے بجھتی۔ پولیس کی سختیوں کے باوجود خیال ترقی پکڑتا گیا کہ انسان اور انسان میں یہ امتیاز انصاف اور اخلاق دونوں کی رُو سے غلط ہے۔ عقل مساوات کا تقاضا کرتی تھی۔ لیکن طاقت امراء کے ہاتھ میں تھی۔ قدرتی طور سے باوجود انسان ہونے کے انسانیت کا ثبوت دینے کو آمادہ نہ تھے۔ اور خود غرضی نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ وہ غریب لڑکیوں کی عصمت خریدتے اور عیش و نشاط کی محفلیں منعقد کرتے تھے۔ اور اردگرد کی دُکھی دُنیا سے بے نیاز تھے۔ جب غریب انسانی حق کا مطالبہ کرتے تو قانون شمشیر آویزاں کی طرح گردن پر لٹکتا نظر آتا:

اور خدا کے گھر یعنی گرجا میں دل کے زخموں کے لیے مرہم تلاش کرنے جاتے تو پادری کا یہ مایوس کن وعظ سنتے۔ مولانا قاسمی کی تحریر جس کی بازگشت ہے۔ یعنی وعظ میں بالفاظ مولانا قاسمی بیان کیا جاتا ہے کہ:

"بھائیو! ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک عالم کا نظام

جس نہج پر چل رہا ہے۔ اس میں ہر چیز کے اندر اختلاف مراتب و تفاوت احوال اور مدارج کا تنوع کارفرما ہے۔ زیادہ مثالیں پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ انسان ہی کو دیکھئے کہ کوئی خادم ہے کوئی مخدوم، کوئی راعی ہے کوئی رعایا۔ ایک شخص متعفّن نالیاں صاف کر کے پیٹ پال رہا ہے۔ اور دوسرا شخص شیش محل میں تخت پر بیٹھ کر احکام نافذ کر رہا ہے۔ اور اس اختلاف کو مٹانے کی کوشش کرنا۔ عالم کے نظام کو درہم برہم کرنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح معیشت اور روزی میں بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف مراتب و ویعت فرمائے ہیں۔ کسی کو امارت بخشی ہے اور کسی کو غربت امیروں اور غریبوں دونوں گروہوں کو ہمیشہ قائم رکھا۔"

ایسے وعظ سن کر وہ صبر کر کے گھر کو لوٹ جاتے اور کام پر لگ جاتے جب رات دن جوتے کھاتے اور جوتے چٹخاتے بھی رزق فراہم نہ ہوتا۔ اور غریبوں کی لڑکیاں امراء کی تفریح کا سامان مہیا کرنے کے کام آتیں تو ان کے دل میں ہوک سی اُٹھتی۔

مگر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کلیجہ تھام کر رہ جاتے۔ کیونکہ پادری سے سُنا تھا کہ امیر اور غریب خدا کے بنائے ہوئے ہیں۔ جب امیروں کو امیر اور غریبوں کو غریب خدا نے بنایا ہے تو اصلاح اور انقلاب خدا کی ناراضگی مول لینا ہے۔

جہاں تک ہو سکا اس نے صبر کیا۔ مگر روس کے غریب مزدور اور کسان کی کی مصیبتیں حد سے بڑھ گئیں۔

قانون اور کلیسا دونوں اس راستے میں حائل تھے۔ قانون زور

سے امیر کا وجود قائم رکھنا چاہتا تھا۔ اور کلیسا وعظ کے ذریعے خدا کے غضب سے ڈرا کر وہی کام انجام دے رہا تھا۔

اب مرحلہ وہ آیا ہے۔ جب صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا ہے اور انسان زندگی کے آخری فیصلوں پر مجبور ہو جاتا ہے۔ قانون سے ماری ہوئی مخلوق کے سامنے ایک ہی سوال تھا:

کہ اگر اسے زندہ رہنا ہے تو وہ قانون اور کلیسا کا باغی ہو کر رہ سکتا ہے۔

کوئی اور درمیانی راہ نہیں۔ وہاں کا مزدور اور کسان اقتصادیات کی اسی ابجد کو جانتا تھا کہ جہاں امیر ہوں گے۔ وہاں غریب کا خون ضرور چوسا جائے گا۔ غریب کا حق اڑا کر ہی تو کوئی امیر بنتا ہے۔ اس لیے انہوں نے امراء کا نام مٹا دیا۔

کلیسا کو امراء کا ایجنٹ سمجھ کر ختم کیا۔ خدا کو امراء اور پادریوں کا پروردگار اور اپنی مصیبتوں کا باعث سمجھ کر اسے ان دونوں کے ساتھ ملک سے چلتا کیا۔

مجلسِ احرار کا مشن

مجلسِ احرار کسی ماحول یا وقت کا تقاضا نہیں کہ اس کا پروگرام جماعت بندی کا ہو۔ بلکہ اس کے سامنے انسانیت کو اُمراء اور رؤساء کی غلامی سے نجات دلا کر دنیا میں حکومتِ الٰہیہ کا قیام ہے۔

بے شک مجلسِ احرار فرشتوں کی جماعت نہیں۔ مگر اس میں مفلس اور مخلص کارکنوں کا اجتماع اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ سچی کامیابی اسی کی قسمت میں

رہے گی۔ ہمارا راستہ بے شک کٹھن اور دشوار ہے۔ علماء اور صوفیاء کا ایک گروہ شہنشاہیت اور اُمراء کے وجود کے جواز کا بروئے اسلام فتویٰ دے کر بڑی تکلیف کا باعث ہوگا۔ ان کی مدد سے اُمراء ننانوے فیصدی غریب آبادی کو تباہ حال رکھنے کا مزید سہارا پائیں گے۔ لیکن بے یار و مددگار غرباء کو سچے مذہب اور برحق دین کی تعلیم کا سہارا دے کر پھر بلند کرنا ہے۔ اور بتانا ہے کہ اسلام کسی طبقے کا حامی نہیں۔ وہ خدا کے بندوں کی برابری دیکھنا چاہتا ہے۔ خدائے پاک پر یہ ناپاک اتہام ہے کہ وہ شہنشاہوں اور رئیسوں کو عوام پر مسلّط دیکھنا چاہتا ہے اور غریبوں کو بقول مولانا بہاء الحق قاسمی متعفّن نالیاں صاف کرنے کے لیے موجود رکھنا چاہتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک عالم کا نظام جس نظام
پر چل رہا ہے۔ اس میں ہر چیز کے اندر اختلاف مراتب۔ تفاوت
مرتبِ احوال کا تنوع ہے۔ کوئی خادم ہے کوئی مخدوم۔ کوئی
راعی ہے کوئی رعایا ہے۔ ایک شخص متعفن نالیاں صاف کر کے پیٹ
پال رہا ہے۔ اور دوسرا شیش محل میں تخت پر بیٹھ کر احکام نافذ کر
رہا ہے۔ اور اس اختلاف کو مٹانے کی کوشش کرنا عالم کے نظام
کو درہم برہم کرنے کے مترادف ہے۔ تو ازل سے تا امروز شرار
ابولہبی نور مصطفوی سے ستیزہ کار رہا ہے۔ فرمایئے اس شرار کو
قائم رکھنا علماء کا منشاء ہے؟ حق کے ساتھ باطل اور اسلام کے ساتھ
کفر کو ہمت کر کے قائم رکھنا مسلمان کا فرض ہے یا باطل اور کفر
کو مٹانا کام ہے۔ اگر بدی کو مٹا کر محض نیکی قائم کرنا مسلمان کا مقصدِ
حیات ہے تو پھر تنوع کیسے قائم رہے گا۔ پھر نظامِ عالم درہم نہ

ہو جائے گا۔

لیکن کیا کیا جائے کہ جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ ذہن نے جو اسلامی ذہن کی ضد ہے۔ بعض علماء اور صوفیاء پر قبضہ حاصل کر لیا ہے۔ احرار کو الزامی جوابات ہی پر اکتفا کرنا چاہیئے۔ مدّت سے یہ لوگ قرآن جیسی پاک تعلیم کو امراء جیسے ناپاک گروہ اور شہنشاہیت کے جواز میں استعمال کرتے رہے۔ ہمیں علمائے حق اور صوفیائے برحق کو ساتھ رکھنا چاہیئے اور خود قرآنی تعلیم سے روشناس ہو کر ملّت کو امراء اور شہنشاہوں کی تباہی سے بچا کر اخوّت اور مساوات کے سبق سے پھر سرشار کرنا چاہیئے۔

یاد رکھو!

مجلسِ احرار وقت اور ماحول کی پیداوار نہیں۔ یہ جماعت خدا کی خاص مہربانی کی مظہر ہے۔ میں اس کی ساری تاریخ پر غور کر کے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ کسی ایک لیڈر نے ایک معیّن دنیاوی پروگرام کے پیشِ نظر نہیں بنائی۔ بلکہ ایک ذہن رکھنے والے چند مفلس اور مخلص احباب غیر ارادی طور پر اکٹھے ہوئے۔ ان کی روحیں پیغام اسلامی سے روشناس تھیں۔ وہ بے ساختہ حکومتِ الٰہیہ کا پروگرام لے کر اٹھیں۔ ان کے ذہن میں خدا اور اس کے انصاف کی حکومت کو قائم کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ پس ہمارا ہر ایک ممبر حکومتِ الٰہیہ کا ان تھک مفسّر ہے۔ ہم بادشاہوں رئیسوں کا ایجنٹ ہو کر زندہ رہنا نہیں چاہتے۔ ہم مساوات کے علمبردار ہیں:

ہم وقت اور ماحول کے مطابق چلنے والے نہیں، بلکہ وقت اور ماحول
کے بانی ہیں۔ ہمیں سچے انقلابی کی طرح اپنی رُوح کو بے قرار

رکھنا چاہیئے۔

اور آتش. بجاں مجاہدہ کی طرح انسانیت کی خدمت سے کوئی منٹ غافل نہ ہونا چاہیئے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے بعض کارکن سُست اور غافل ہیں۔ یہ بڑی بُری بات ہے۔ ابھی ہمارے کام کا آغاز ہوا ہے۔ بیس برس کی قربانیوں کے بعد اب ہم اس قابل ہوئے ہیں کہ کوئی ہماری بات توجہ سے سن سکے، جب تک ہمارا ہر ممبر اپنے اندر سچے مبلغ کی روح پیدا نہ کرے گا۔ ہم سرمایہ دار دنیا کے نقار خانے میں طوطی بن کر رہ جائیں گے۔ سُستی اور غفلت موت ہے۔ ہمیں زندہ جماعت بن کر ہی نہیں رہنا۔ بلکہ ہم غریبوں ہی کو ہندوستان کا قدرتی رہنما بن کر رہنا ہے۔ یہ عظمت جان جوکھوں میں ڈالے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہمیں فکرِ معاش کے ساتھ ساتھ اپنے جماعتی مشن کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیئے۔ خدا ہمارا حامی و مددگار ہے۔

مذہب ایک پاکیزہ تصوّر ہے۔ مگر خالی پیٹ غریب کے تصوّرات کی دنیا قابلِ ذکر حد تک تاریک ہوتی ہے۔ وہ ایک کو مرغن غذائیں کھاتے اور دوسرے کو نان جویں کے لیے پریشان ہوتے دیکھتا ہے تو سوسائٹی کا باغی بننے کو اس کا جی چاہتا ہے۔

کیونکہ جو سوسائٹی اپنے بدترین رواج کو خدا سے نسبت دیتی ہے۔ وہ ناانصافی کو بروئے مذہب قائم رکھنے کے جرم کی مرتکب ہوتی ہے۔

اور مذہب کی راہ میں دشواریاں حائل کرنے کا سبب بنتی ہے ہر سوشلسٹ کائنات کو اتفاقی حادثہ اور خدا کو کمزور طبیعت انسانوں کے وہم کی تخلیق سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مجبوراً اس لیے کہتا ہوں کہ غیر منصفانہ رسم و رواج

یا قانون کو جب مذہب سے متعلق بتایا جائے گا۔ تو فطرت سعید سوسائٹی کے دباؤ سے اس کی پابندی تو کرے گی۔ مگر دل سے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دے گی۔

سوشلسٹ کی مایوسیوں میں مجھے اس سے ہمدردی ہے۔

میں اسے یقین دلاتا ہوں کہ اخوت و مساوات کے علاوہ کسی اونچ نیچ کے اصول پر سوسائٹی کی تعمیر کرنے والا خدا اگر ڈھونڈھے سے بھی مل جائے گا۔ تو احرار کے ہاتھ سے پناہ نہ پائے گا۔"

اور اس کی عافیت مخدوش ہو جائے گی۔ مگر اصل حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام ہر غریب کو بڑھاتا اور کمزور کو حوصلہ دلاتا ہے۔ صرف اقتصادی ناانصافی ہی کو ناقابلِ قبول نہیں قرار دیتا۔ بلکہ انسانوں میں امتیاز پیدا کرنے والے محرکات اور خیالات کو بھی گناہ بتاتا ہے۔ ہمارے خدا نے جو کائنات اور اس کے ہزاروں ہزار جلووں کا پروردگار ہے۔ فطرتِ انسانی میں برادری کی خواہش اور آرزو رکھ دی ہے۔ عقل کو اس کی آرزو کے ہم آہنگ بنا کر دل و دماغ کو مساوات کے حصول کے لیے یکسوئی عطا کی ہے۔ خدا ہمارے وہم کی تخلیق نہیں بلکہ اس کے سوا سب کچھ وہم ہے۔ وہی تو رحم کا تقاضا بن کر انسان کو غریب کی ہمدردی کے لیے بے چین کر دیتا ہے۔ ایسے خدا کے خلاف صف آرا ہونے کی بجائے اس کی توفیق حاصل کر کے ہم ان قوتوں سے پنجہ آزما ہونا چاہتے ہیں۔ جو غریب اور مزدور کو دبا کر رکھنا چاہتے ہیں۔

اسلام بدترین زمانے میں بھی بہترین اقتصادی حل تھا۔ جس کا پیغمبر فقر پر فخر کرے اور الفقر فخری کا مصداق ہو۔ صرف ٹاٹ اور کھاٹ ہی جس کے گھر کی سب سے بڑی زینت ہو۔ ایسے پاک پیغمبر کی امّت خون آشام سرمایہ داری

کو کیسے قبول کر سکتی ہے۔ ہم ان عالمانِ دین کو مذہب کی حقیقی روح سے ناآشنا سمجھتے ہیں جو فاقوں کی ماری مخلوق کی صدائے دردانگیز سن کر ان کی پکار کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے۔ جن کے نزدیک روٹی کی طلب، شرافت کی توہین ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے سب سے بڑے داتا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے قائل نہیں کہ فاقہ کفر کے قریب لے جاتا ہے۔

اسلام سرمایہ داری کا دشمن ہے۔ تاہم اسلام سرمایہ دار کا صرف اس صورت میں متحمل ہے کہ وہ اسلام کے منشا کے مطابق اپنی آمدنی کو خرچ کرنے کا اقرار کرے۔ اسلام بعض پابندیوں کے ساتھ دولت کمانے کی تو اجازت دیتا ہے۔ لیکن خرچ کرنے کی آزادی کو بالکل سلب کر لیتا ہے خوب کماؤ پر تکلف کھانے کے لیے نہیں بلکہ دوسروں کو کھلانے کے لیے اگر خالد بن ولید رضؓ اسلام کی پابندیوں کے مطابق کما کر اسراف کریں گے تو حضرت عمر رضؓ کے اسلامی عہد کا شکار ہو کر قشون قاہرہ کی سرداری سے علیحدہ کر دیئے جائیں گے۔ حضرت خالد رضؓ کی معزولی اسلامی تاریخ کا ایک اضطراب انگیز واقعہ ہے۔ یہ اتنی ہی بات کا تو افسانہ تھا کہ انہوں نے اپنی جائز کمائی کے دس ہزار دینار اپنے قصیدے سے پر خوش ہو کر شاعر کو عطا کر دیئے تھے۔ اس بنا پر دربارِ خلافت سے فرد قرار داد جرم ان پر قائم ہوئی۔ کہ اگر یہ رقم جیب سے دی گئی تو اسراف ہوا۔ اور اگر بیت المال سے دی گئی تو خیانت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت خالد رضؓ اسراف کے الزام میں سپہ سالاری کے عہدہ سے ہٹا کر سپاہی بنا دیئے گئے۔

سرمایہ گھر میں رکھ کر اسلامی زندگی بسر کرنے کا کون دعویٰ کرتا ہے یہ

شان تو صرف حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف اور حضرت عثمان بن عفان کی ہے کہ دریا میں کودیں اور دامن بھی تر نہ ہونے پائے۔ وہ صرف کمانے میں مختار تھے۔ کھانے پینے اور شان و شوکت کی زندگی بسر کرنے میں ان کو نمایاں درجہ حاصل نہ تھا۔ نہ لباسِ فاخرہ، نہ بے تکلف دسترخوان، نہ پختہ ایوان، نہ دروازہ پر دربان۔ ان کے سامنے ہمہ وقت قرآنِ کریم کی یہ آیتیں رہتی تھیں:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

اور جو لوگ کہ جمع رکھتے ہیں، سونا چاندی اور نہیں خرچ کرتے اس کو اللہ کی راہ میں، پس اے محمدؐ! خوشخبری سنا دے ان کو درد ناک عذاب کی جس دن کہ گرم کیا جائے گا۔ ان کو دوزخ کی آگ میں پس اس آگ سے داغ دیئے جائیں گے۔ ان کی پیشانیوں پر اور کروٹوں پر اور پیٹھوں پر، یہ ہے وہ سرمایہ جو تم نے اپنے نفس کے لیے جمع کیا تھا۔ پس اس کا مزا چکھو جو کچھ کہ تم جمع کرتے تھے۔"

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ط اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝

اور اللہ نے بڑائی دی تم میں ایک کو ایک سے روزی کی۔ سو جن کو بڑائی دی وہ نہیں پہنچاتے اپنی روزی کو ان تک جن کے مالک ان کے ہاتھ ہیں تاکہ وہ سب اس روزی میں برابر رہیں۔ کیا وہ

اللہ کی نعمت کے منکر ہیں۔"

غرض اسلام میں سرمایہ داری کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ہر درہم و دینار کے لیے ہم خدا کے حضور میں جواب دہ ہیں۔ شرعی پابندیوں کے ساتھ بیش از بیش کمانے کے ہم بے شک حقدار ہیں۔ البتہ جمع رکھنے اور حسبِ منشا خرچ کرنے کے حقدار نہیں۔ زیادہ سے زیادہ اسلامی ریاست کی جانب سے ہم اپنی کمائی کے امین قرار دیئے جا سکتے ہیں:

لیکن ہر ملک کا مالک خدا ہے۔ ریاست جو رائے عامہ کی
بنا پر قائم ہے۔ جب چاہے اور جس طرح چاہے انفرادی اور
اجتماعی ذرائع کو قبضہ میں کر کے استعمال کر سکتی ہے۔"

مسلمان خدا اور حکومت کے سامنے اپنے آمد و خرچ کا حساب صاف رکھنے کا ذمہ دار ہے۔

احرار جو ساقی کوثر کے نورانی ہاتھوں سے جامِ اسلام پی چکے ہیں۔ پہلے ہی سی اخوت و مساوات کے نشے سے سرشار ہیں ..... ہم ہندوستان میں سوشلسٹ مدعی کی پھلجھڑی اڑاتے ہیں۔ جو سر پہ دو ٹکے کی گاندھی ٹوپی پہنے، سات ہزار کی موٹر پہ سوار ہو کر مزدوروں کے خون کا پٹرول جلا کر سیر کو نکلتا ہے اور مسلمانوں کو سوشلزم کی طرف بلاتا ہے۔ وہ جو گھر کے ملازموں کو بھائی نہیں بناتا۔ مگر مزدور اور کسان کی مشکلات پر آنسو بہاتا ہے۔ بہروپیا ہے۔ بہت سے سرمایہ دار بہروپئے سوشلسٹوں کے لباس میں ہوتے ہیں۔ ان سے خبردار رہنا چاہیئے۔ ذہن کی تبدیلی کے بغیر دل کی تبدیلی ممکن نہیں۔ مسلمان سچے طور پر مساوات کا علمبردار ہے۔

سوشلزم کو ابھی اسلام سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ مسلمانوں

کو سوشلسٹ سے نفرت نہ ہونی چاہیئے۔ اگر وہ خدا کا قائل نہیں تو بروئے مذہب تین خداؤں کو ماننے والے عیسائی اور اور دو کروڑ دیوتاؤں کے پجاری ہندو سے بُرا نہیں۔ مفتی دین سے پوچھو منکر، مشرک سے بہرحال بہتر ہے۔ سالک سلوک کی منزل اول تو نفی ہی ہے الّا اللہ کے لا الٰہ کی مصلحت پر غور کرو، پھر صوفی مدتوں لا الٰہ کی ضربیں دل پر لگاتا ہے، پھر الّا اللہ کا نعرہ بلند کرتا ہے، اسی طرح زمانہ راہ و رسم منزل سے واقف سالک کی طرح اشتراکی روس کو نفی کا درس دے رہا ہے تاکہ ماسوا اللہ کا وہم دل سے دور ہو اور الّا اللہ کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔"

ملحد اشتراکی روس کی عمر بیس سال پوری ہو گئی۔ گھبرانے کی بات نہیں، قوموں کی زندگی میں سو پچاس برس انسان کی انفرادی زندگی کے ایک لمحہ کے برابر ہیں جس طرح راہِ طریقت کا راہرو لا الٰہ الّا اللہ کا ورد جلی کرتے کرتے چند لمحوں کے بعد اچانک الّا اللہ کی ضرب لگاتا ہے۔ اسی طرح اُمید رکھنی چاہیئے کہ ایک دن اشتراکی روس لا الٰہ۔ لا الٰہ کہتے کہتے چند سالوں کے بعد یک بریک الا اللہ کا نعرہ بلند کرے گا۔ ہم آہستہ سے مشورہ دیں گے کہ بھلے اب محمد رسول اللہ بھی کہہ دے۔ اور آ گلے مل جا۔

سوشلسٹ ذہن کے اعتبار سے بین الاقوامی اور دل میں مساوات کا جذبہ رکھنے کی وجہ سے احرار کے قریب ہے۔ ان دو رہروانِ راہ ترقی کو ایک اکیلا رہنے کے بجائے دشمنوں کو ایک اور ایک گیارہ دکھائی دینا چاہیئے۔"

مُسلمان سوچے

حرف قرآن کی خوبیاں اور تعلیم اسلام کی فوقیت بیان کرنے کا عہد ختم ہو گیا۔ یہ عہد ہر مسلمان کے مبلغ اور مجاہد بننے کا ہے، اب ضرورت ہے کہ ہم کردار اور گفتار میں دنیا کے سامنے ہر لحاظ سے انسانیت کا بہترین نمونہ پیش کر سکیں۔

صورتِ حال یہ ہے کہ مسلمانوں کا اعلیٰ طبقہ تو مردہ ہے اسے مرنا چاہیئے لیکن مصیبت یہ ہے کہ درمیانی اور غریب طبقہ کے لوگ امراء کی اس موت کے ماتم گسار بن کر روتے ہیں کہ ہم میں امراء کم ہیں اور جو ہیں۔ وہ غفلت اور غیر کے ہاتھوں مر چکے ہیں۔ ان میں روح عمل اور مسلمانوں کی محبت نہیں رہی۔ عزیز و امُردوں کو چھوڑ کر۔ بیماروں کی خبر لو۔ مبادا تمہاری عدم توجہ سے مر جائیں۔ مسلمانوں کو امداد باہمی کے گر سکھاؤ۔ عوام کے نظام سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا۔ اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔ اور ان منحوس ستاروں کے ڈوبنے کا غم نہ کرو۔ امراء تو سرمایہ داری کے ستون ہیں۔ ان کے جانے کا کیا افسوس۔ ہمیں تو قوم کے ہر فرد کو مبلغ اور مجاہد بنانا ہے۔ اور قوم کو محنتی چونٹیوں سے زیادہ کارکن بنا کر نہ صرف اپنے آپ کو ان سرمایہ داروں اور زمینداروں کی اقتصادی غلامی سے نجات دلانا ہے۔ بلکہ تمام غریب طبقے کی اقتصادی زنجیروں کو کاٹ کر رکھ دینا ہے۔

ہر مسلمان میرا مخاطب ہے۔ غریب بچوں کو بے ہمت نہیں ہونا چاہیئے۔ غرباء کو ہمت قائم رکھنے کی اور بھی ضرورت ہے۔ امراء کی امداد پر رہنا مایوسیوں میں کھو جانا ہے۔

سرمایہ دار سے بچو!

کسی نادان نے دانا سے سُنا۔ کہ روپیہ روپے کو کھینچتا ہے سمجھا کہ یہ آسان کسب کر کے عشرت کے مزے کیوں نہ لوں۔ اور دنیا میں دادِ عیش کیوں نہ دوں۔ تا کارہ لکڑ ہارا کہلاتا ہوں۔ روپیہ کھینچ کھینچ کر لاؤں گا۔ بس بڑا بن جاؤں گا۔ لیگی امراء اور کانگریسی وزراء مجھے ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ پس ان سُنہری اور روپہلی تصوّرات میں مبتلا ہو کر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں دو روپے لے کر بازارِ صرافہ میں جا نکلا۔ جہاں ہر دکان پر روپوں کے ڈھیر لگے تھے۔ پہلے اس نے ایک بڑی کانگریسی دکان کو تاکا۔ جہاں ایک کانگریسی مہاشے سر پر دوپلی پہنے گننے کے بجائے ترازو سے تول کر روپے کا اندازہ کر رہے تھے۔ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کھول کر آگے بڑھائی۔ روپیہ نوگرفتار پرندہ کی طرح اُڑ کر چھن سے کانگریسی ڈھیر میں جا گرا۔ اگرچہ نقصانِ مایہ سے صدمہ ہوا۔ مگر شماتتِ ہمسایہ کے خوف سے چپکے رہا۔ مگر یہ اطمینان بالیقین تھا کہ روپیہ روپے کو بے شک کھینچتا ہے۔ اس قیمتی تجربے سے لیگی دکان پر جا کر فائدہ اٹھانے کا قصد کیا۔ جہاں ایک صاحب کلاہ پرلٹ پٹی پگڑی پہنے کونے کی دکان پر چھوٹا سا روپوں کا ڈھیر سامنے دھرے بیٹھے تھے، اب کے ذرا دل کڑا کر کے قسمت آزمائی کی روپیہ پھیرا ڈال کر لیگی ڈھیر میں جا گرا۔ اب نقصان برداشت سے باہر تھا۔ دو روپے ایک ماہ کی محنت کا حاصل تھے بیچ راہ کھڑا ہو کر خون کے آنسو رونے لگا۔ لوگوں نے اس کے حال پر سوال کیا۔ جب ماجرا بتایا تو اس بے سمجھ کو سب نے سمجھایا۔ کہ بھلے لوگ روپیہ روپے کو ضرور کھینچتا ہے۔ مگر تمہاری عقل میں محض اتنا فتور ہے کہ

تم نہ سمجھے کہ تھوڑے کو بہت کھینچتا ہے۔ تجربوں کی تلخی نادان کو دانا بنا دیتی ہے۔ نگاہ ناکامیوں سے اکثر دُور بین ہو جاتی ہے۔

غُربت میں

تاریخ انسانی میں آج سے چودہ سو برس پہلے ایک خوشگوار واقعہ رونما ہوا۔ دنیا نے دیکھا کہ ایک یتیم جس کی جوانی مفلسی کی آغوش میں پرورش پاتی ہے۔ عزم صالح لے کر اٹھتا ہے۔ لوگ اس کی لیڈرشپ اس کی غربت کے باعث قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں، مگر وہ برابر غریبوں کی صالح فوج تیار کرنے میں منہمک رہتا ہے تا آنکہ سرمایہ دار دنیا کے قیصر و کسریٰ اس کے سامنے خاک چاٹنے لگتے ہیں۔ احرار کو غریب جماعت اور غریبوں کی نمایندہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ مگر یاد رکھو! اس دعویٰ کے ساتھ پیغمبری وقت بھی آن پڑتا ہے۔ گزشتہ گیارہ برس کس مشکل سے گزرے اس کے تصوّر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں:

"پھر اگرچہ ہماری سخت جانی اور سخت کوشی نے مکّی زندگی کا دور ختم کر دیا ہے۔ لیکن ہمیں اس اصل کو نہ بھولنا چاہیئے کہ ہم غریبی کے عزم اور اسی الزام کو لے کر اُٹھے ہیں۔ ہم میں سے وہ غدّار ہے جو کسی سرمایہ دار نظام سے مطمئن ہونے کی کوشش کرے۔"

وقت آنے والا ہے جب ہماری قوتِ ایمان کا منے اسلوب و عنوان سے امتحان ہوگا۔ رامزے میکڈانلڈ کی طرح غریب پارٹی سے غدّاری

کر کے امراء کی استواری کا باعث نہ بننا۔ امراء کی جماعتوں میں شخصی سربلندی نصیب ہو سکتی ہے۔ یعنی رامزے میکڈانلڈ کی طرح وزارتِ عظمیٰ بھی مل سکتی ہے۔ لیکن غدّاری سے غریب جماعت کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ پس اپنی غریب جماعت سے وفاداری اوّل شرط ہے۔ سب کچھ ملے گا انشاء اللہ اس غیر سرمایہ دارانہ نظام کی برکت سے سب کچھ ملے گا۔

بشرطیکہ خالص خدا کی خوشنودی کے لیے غریب عوام کو سرمایہ داری کے غلط نظام سے آزاد کرانے کی کوششوں کو جاری رکھا جائے۔"

نئی منزل

ہماری پہلی منزل کی سیاست غیر ملکی اقتدار سے جنگ تھی۔ اس جنگ کا رنگ جائے گا۔ اور جماعتوں کے اقتدار کی جنگ نئے ہتھیاروں سے شروع ہو جائے گی۔ ایک طرف کانگرسی سرمایہ دار نئی مشترکہ تہذیب نہیں بلکہ پراچین تہذیب کے احیاء و تسلّط کی کوشش و کاوش کریں گے۔ دوسری طرف لیگی فرداً فرداً اسلامی نہیں بلکہ یورپی تہذیب کو پاکستان کے خیالی حدود میں پھیلانے اور اس کا اقتدار جمانے کے لیے بیتاب ہوں گے۔ کانگرس اور لیگ کی سرمایہ دارانہ کشمکش میں غریب کا بھلا ہے۔ زنہار کسی کے طرفدار نہ ہونا۔ بلکہ ان کی اس جنگ زرگری کی طوالت کے لیے دُعا مانگنا اور اس کے نہ ختم ہونے کی آرزو کرنا۔ سرمایہ دار جب تک آپس میں دو دو ہاتھ دکھاتے رہیں گے۔ تب تک غریبوں کی گلو خلاصی رہے گی۔ احرار دو سو جنگ

کے اس سیاسی جمود و تعطّل کے زمانے کو غنیمت جانو اور جماعت کے نظام کو مضبوط کرو۔ لیگ اور کانگرس کی جنگ دو سرمایہ دار طبقات کی جنگ ہے اس سے دامن بچاؤ۔

پروگرام پر نگاہ رکھّو!

احرار کا وطن لیگی سرمایہ دار کا پاکستان نہیں نہ کانگرسی کا اکھنڈ ہندوستان ہے۔ بلکہ وہ سرزمین ہے جہاں!

۱۔ سوسائٹی میں درجے نہ ہوں بلکہ انسانیت ایک درجہ ہو۔ احرار کا وطن وہ ہے جہاں کوئی چھوت نہ ہو۔ جہاں انسانوں کو ذلیل سمجھنے والے ذلیل سمجھے جائیں۔

۲۔ جہاں غریبوں کو لوٹنے والے لوٹ لیے جائیں۔ اور لوگوں کو کام پر لگا کر ان کی ضرورتوں کے مطابق معیشت مہیّا ہو۔

۳۔ جہاں ہر کوئی اپنے مذہب میں اور اپنی تہذیب کے مطابق ترقی کرنے میں آزاد ہو۔

۴۔ جہاں نظام حکومت کامل مساوات پر قائم ہو اور جہاں سرمایہ دار نظام کی طرح قانون غریب کو چکی میں نہ پیس سکے اور امیر قانون پر حکومت نہ کر سکے۔ جب تک اقلیّت و اکثریت کا موجودہ مفہوم نہ بدلے گا۔ ملک میں امن قائم نہ ہوگا۔ لیگ کا طرز عمل کانگرس کی موجودہ روش اور سرمایہ دار ذہن کے پیش نظر حق بجانب ہے۔ جمعیتہ العلماء کے سب سے بڑے ذمہ دار شخص کے مسطبہ کو دوبارہ پڑھ کر قیاس کرو کہ ایسی تنگ دل اکثریت کی غلامی کا حوّا کون قبول کرے گا۔ پھر بھلا پاکستان میں یہی ہندو اکثریت

اقلیت میں کیسے مطمئن رہ سکتی ہے، خدا کرے کہ نہ کانگرس سرمایہ دار اپنی وضع بدلے اور نہ لیگی سرمایہ دار اپنی ضد چھوڑے۔ کانگرسی سرمایہ دار احرار سے فضول اُمید رکھتا ہے کہ ہم پاکستانی مسلمان کی اُٹھ کر کمر ہمّت توڑیں اور اسطرح سرمایہ داری کے کھنڈ ہندوستان کا راستہ کانگرس کیلئے صاف کردیں۔ احرار دوستو! اپنے ایمان کو مضبوط رکھو، جماعت کی وفاداری کو مقدم سمجھو، کوئی تمہیں سرمایہ دار لیگ کا ایجنٹ بن کر لیگ کیطرف بلائے گا کوئی سرمایہ دار کانگرس کا ایجنٹ بن کر کانگرس کی دعوت دیگا۔ سب کی سن کر جماعت سے وفادار رہو۔ سرمایہ داری کے خطرے کو پہچانو، غریبوں کو سرمایہ داروں کی غلامی سے بچاؤ، انسانیت کو چھوت کی لعنت سے نجات دلاؤ۔ کسی جماعت کا نام لو جس پر شہید گنج کا زمانہ گزرا ہو اور وہ قائم رہی ہو ہماری جماعتی وفاداری نے وہ مشکل آسان کی، ہم میں اب کون ہے جو انگلستان کی مزدور پارٹی کے جنم داتا اور مسلمہ لیڈر مسٹر رامزے میکڈانلڈ کی طرح آخری عمر میں وزارت کے لالچ میں جماعت سے غدّاری کریگا اور انگلستان کی لیبر پارٹی کی طرح احرار کو فنا کریگا۔ دشمن کی یہ توقعات فضول ہیں احرار بڑھنے والی ہیں۔ وہ کانگرس اور لیگ سے بے نیاز ہو کر بڑھے گی۔ ہاں جماعتوں میں معاہدہ ہو سکتا ہے مگر ہم غریبوں سے غدّاری کر کے سرمایہ داری کے نظام کو قبول نہ کریں گے ہم مسلمانوں کی حکومت کے خواہاں نہیں بلکہ خدا کی حکومت چاہتے ہیں جس میں لوگ آسودہ ہوں، ہر شخص کو عدل و انصاف ملے وہ عدل و انصاف نہیں جواب موجود ہے بلکہ وہ جس کی بنیاد عرب کے یتیم نے ڈالی۔ حکومت خدا کی مخلوق خدا کی نہ کوئی چھوت نہ چھات بلکہ کامل سیاسی اور اقتصادی مساوات ہو، کہو! خدا کا یہ قانون سب قوانین سے بلند ہے۔ آؤ! اس کے لیے قربانیاں کرنا سیکھیں اور خدا کی خوشنودی حاصل کریں۔

پاکستانی بھی سن لے اکھنڈ ہندوستانی بھی سن لے ہم احرار ہیں۔ صرف اس کے طرفدار ہیں جو خدا کی حکومت قائم کرے، جہاں ہندو مسلمان آرام پائیں جہاں دنیا امراء کی جنّت اور غریب کا دوزخ نہ بنی رہی، بلکہ قوم کی دولت پر افراد کا یکساں حق ہو، سوسائٹی میں درجے نہ ہوں۔ انسانیت ایک درجہ ہو۔ ہمیں پاکستان اور اکھنڈ ہندوستان کے دامِ فریب میں نہ پھنساؤ بلکہ احرار کی سیدھی بات کا سیدھا جواب دو۔

مذہب اور آدمیت

غریب پر یہ رحم نہیں کہ اسے اُمرا خیرات دیں۔ بلکہ نظامِ حکومت میں ایسی تبدیلی کی جائے کہ غریب لوگ شخصی خود داری کو چھوڑے بغیر حکومت سے امداد حاصل کرنا ملکی حق سمجھیں۔ حکومت کا واحد مقصد یہ ہو کہ ملک کے مالیات کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر کے اپنائے وطن کو افلاس کی ذلت سے بچایا جائے۔ ملک کی دولت کو ایک جگہ پڑا رہنے اور ایک جگہ جمع ہونے سے اس اسلوب سے روکا جائے کہ ایک طرف غنی اور دوسری طرف گدا پیدا نہ ہوں اور سرمایہ دار مزدور کو لوٹنا پیدائشی حق نہ سمجھے۔ ملک کا ہر فرد بشر خوشحال ہو۔ اور وہ فطرت کے لازوال حُسن اور قدرت کے لاتعداد مناظر سے لطف اندوز ہو کہ دن خوشی میں اور رات امن سے بسر کرے۔

ہماری روح اس دنیا کے ماورا عالم کو فتح کرنے کے لیے تکلتی ہے اور ہم حیات بعد ممات پر بحث کر کے اوقاتِ عزیز کو صرف کرتے ہیں۔ لیکن اس زندگی میں باعزت بسر اوقات کی کوشش نہیں کرتے۔ ملک میں افلاس نے ڈیرے ڈال دیئے، ہمارے نوجوانوں کی صحتیں ضائع ہو گئیں۔ نسل کی نسل تباہی کی طرف جا رہی ہے۔ آنے والی زندگی پر بحث کرنے والو آؤ اور اس زندگی کو بہتر بنانے کا بھی جتن کریں۔ ملک کے لوگوں کی ایسی خدمت کر جائیں کہ خالق راضی ہو جائے اور آئندہ بھی ہماری مشکلات کو آسان کر دے۔

میں خدا کا قائل ہوں لیکن خدا فروش نہیں کہ اس کے نام کو بیچ کر لوگوں

میں افتدار قائم کروں۔ میں چاہتا ہوں کہ ملک کا نوجوان خدا دوست ہو جائے خدا کی گری ہوئی مخلوق کو سنبھالے اور وطن کے دشمنوں سے ملک کو آزاد کرائے۔ میں سنتا ہوں کہ میرے ملک کے بعض بدقسمت علماء اور صوفیاء اجنبی حکومت کے آلۂ کار ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو یہ سچے مذہب سے بدترین بغاوت ہے۔

حکومت کے آلۂ کار و پیشواؤں پر خدا کی لعنت۔ ان کا روزِ حساب بھی آ پہنچا۔ جلد ہی سچے مذہب کی فتح ہو گی۔ سچا مذہب یہ ہے کہ ملک کو آزاد کرا کر اور لوگوں کی خدمت کر کے اپنے خالق کی خوشنودی حاصل کی جائے دعاؤں کے لیے ہاتھ اٹھائے جائیں۔ مگر سعی اور قربانی سے دریغ نہ کیا جائے لوگو! خدا ان ہی کی مدد کرتا ہے جو مسلسل قربانیوں سے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کر دیں۔

مذہب خدا اور مخلوق کے درمیان پاک رشتہ ہے۔ اسے سفلی اغراض کے لیے استعمال کرنا مذہب کی توہین ہے۔ سچا مذہب تو دنیا کی سربلندی کا ضامن اور مخلوق کی خدمت کا مدعی ہونا چاہیئے۔ وہ مذہب جو انسان کو غلامی کی ذلت میں پھنسائے۔ خدمت کی جگہ خود غرضی سکھائے۔ انسانی توجہ کا مستحق نہیں۔ عمل سے عاری کر دینے والی عبادت، دنیا سے بے خبر رکھنے والے وظائف بے شک قوموں کے لیے پیغامِ موت ہیں۔

مذہب اور اقتصاد

مذہب عام آبادی کا قانون اخلاق ہے اور محنت عام آبادی کا قانونِ اقتصاد ان دو میں وہ جنگ موجود نہیں مگر جنگ جاری ہے۔ مذہب

کیفیّت ہے۔ اقتصاد کمیت ہے۔ کیف و کم میں نزاع کیوں ہے۔ اگر انسانی زندگی میں سرمایہ داری کو نظر انداز کر دیا جائے تو مذہب اور اقتصاد میں جنگ نہ رہنی چاہیئے۔ بس مذہب، افیون نہیں جو محنت سے باز رکھے۔ بلکہ وہ قوّتِ فکر ہے۔ جو ایک طرف قوائے عمل کو متحرک کرے اور دوسری طرف بے اطمینانی کو دُور کرے۔ دل پر خوشی کے دروازے کھول دے۔ محض اقتصاد وہ ساز ہے جس میں آواز نہیں۔ ساز بغیر آواز کے کسی کیفیّت کا حامل نہیں۔ اقتصادی ساز میں سوز پیدا کرنے کے لیے کیف آور مذہب کی ہم آہنگی ضروری ہے تاکہ انسانی زندگی کیف و سرور کی جلوہ گاہ ہو۔ مغرب اقتصادی مسائل میں منہمک ہے۔ مشرق مذہب کی کیفیّتوں میں کھویا ہوا ہے۔ انسانیت دونوں سے بیزار ہے۔ وہ دونوں کا اتحادِ عمل چاہتی ہے۔ اقتصاد جسم ہے۔ مذہب روح ہے۔ جسم اور روح کے اتحاد سے زندگی بنتی ہے۔ جو گی روح میں رفعت چاہتا ہے۔ بھوگی محنت میں بسر اوقات کرتا ہے۔ جب جوگی اور بھوگی ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر سفرِ زندگی اختیار کریں۔ تب دنیا کا جہنّم جنّت میں بدل سکتا ہے۔ محض اقتصادیات خشک بیجر ہے۔ محض عبادت افیون کی طرح قوائے عملیہ کو بے حس کر کے قوموں کو سلا دیتی ہے۔ محض محنت گدھے کا کام ہے۔ انسان فرشتوں کا فعل ہے۔ انسان عمل اور عبادت کا مجموعہ ہے۔ اقتصاد اور مذہب دونوں کو منصفانہ اتحادِ عمل زندگی کی کشتی کو ساحل مراد پر پہنچانے کا بہترین ضامن ہے۔

ایک انسان کو محنت کے مواقع اور پیٹ پالنے کے سامان ہی مہیّا نہ ہونے چاہئیں۔ بلکہ اپنے ہم جنسوں کے مہر و محبّت کے سلوک کا درس بھی دینا چاہیئے۔ جس کے بغیر مزدور کی ظاہری خوشی میں قلب کا اطمینان ممکن

نہ ہوگا۔ ہم جنسوں سے گہری محبّت کا نام ہی مذہب ہے۔ محبّت سے ہی طبیعت میں جنّت کا اطمینان اور رنگینی پیدا ہوتی ہے۔ اقتصاد کی وہ عمارت جو رحم اور محبّت کی بُنیاد پر استوار نہ کی جائے۔ وہ ریت کی دیوار ثابت ہوگی۔

مذہب اور انقلابِ روس

روس سے جو اقتصادی طوفان اُمنڈ رہا ہے۔ تم اُونچے ہو کر اس کی بے پناہیوں کو دیکھ رہے ہو۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ یہ صرف جھوٹے مذہب کو بہا لے جائے گا۔ جس مذہب کی بنیاد مہر و محبّت، رحم و خدمت اور انسانیت کی سربلندی پر ہوئی۔ وہ طوفان میں مضبوط چٹان کی طرح قائم رہے گا۔ طوفانی لہریں شور کرتی ہوئی اس سے سر پٹکیں گی۔ اور پاؤں دھو کر چلی جائیں گی۔ لیکن غریب کی سربلندی لازمی ہے۔

جھوٹے مذہب اور نسلی امتیازات کی شر انگیز سرحدات کا مٹ جانا ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مذہب کے خیالی خطرے کے پیشِ نظر ہم ان قوتوں اور ایسے امتیازات کو باقی رہنے میں مدد دیں۔ جس کے باعث تمام عیش و آرام، اقتدار اور قوت صرف چند آدمیوں کے لیے مخصوص ہو گئے ہیں۔

رحم اور محبّت مذہب کی اساس و بنیاد ہیں۔ روس میں یہ دونوں چیزیں باقی نہ رہی تھیں۔ وہاں وہم اور ریاکاری رہ گئی تھی۔ ظلم عام رواج پا گیا تھا مذہب کے پیشوا خدا سے ڈرنے کی بجائے حکومت سے ڈر کر ہر تحریک کے مخالف تھے۔ جو انسان کو بلند کرے۔ تھوڑے دنیاوی فائدے

کے لیے وہ مذہب فروشی کرتے تھے (آخر مظلوم غریب عوام اُٹھ کھڑے ہوئے)۔

اس خدا کے خلاف ظالم جس کا نام لے کر ظلم شروع کرتا ہے۔ پیشوا جس خدا کی تسبیح کے بعد فریب کرتا ہے۔ اقتدار پسندوں کا مذہبی ایجنٹ قیام امن کے لیے جمہوریت کے خلاف جس خدا کا نام استعمال کر کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کرتا ہے۔ جس خدا کا مظہر بن کر انسان کو انسان اپنے قدموں پر گرانے کی کوشش کرتا ہے۔

کوئی شخص اس خدا کا مخالف نہیں ہو سکتا ہے جو کائنات کا پروردگار ہے۔ عقل جسکی عظمت میں سرنگوں ہے اُس خدا کا کوئی دشمن نہیں۔ جس کا نام لے کر انسان نیکی کی اشاعت کے لیے نکلتا ہے۔ اور تلوار ٹیک کر ظلم کے مقابلہ کے لیے اُٹھتا ہے۔ ہتھیار سجا کر آزادی کی جنگ میں جاتا ہے۔ بعض دفعہ بے شک عارضی جوش کے ماتحت آدمی ہر زہ سرائی کرتا ہے۔ لیکن اس وقت عقل دماغ سے نکل چکی ہوتی ہے۔ عقل اس کے دماغ کے خانہ میں لوٹ آنے کے بعد انسان خدا عظمت کا پھر قائل ہو جاتا ہے۔

سرمایہ دار بھی خدا کا بڑا باغی ہے۔ غریب زبان سے بغاوت کرتا ہے اور امیر عمل سے بغاوت کرتا ہے۔ وہ دکھا ہوا کوئی بات کہتا ہے۔ یہ آرام اور عیش میں خدا کو دعوتِ مقابلہ دیتا ہے۔ بہرحال خدائے اسلام کو ان بغاوتوں کا کوئی ڈر نہیں۔ وہ خود سرمایہ داری کے نظام کے خلاف ہے۔ اس کی خدائی میں سود حرام ہے۔ اور سرمایہ داری پر بھاری ٹیکس لگانے کا حکم دیتا ہے۔ اور جہاں سرمایہ جمع ہو۔ وہاں لوگوں کے نمائندہ حاکم کو ایسا سرمایہ قوم کے حق میں ضبط کر لینے کی اجازت دیتا ہے۔ ایسے غریب نواز

خدا ان کے خلاف مزدور اور کسان کیوں بغاوت کرنے لگے۔

اسلام اخوت و مساوات کی اساس و بنیاد پر قائم ہے۔ برابری اور برادری یہ دعویٰ نہ صرف عبادات تک محدود ہے بلکہ اس کی سرحدات زندگی کے ہر شعبہ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اسلام نسب کے فخر و غرور کا مخالف اور سرمایہ داری کے برپا کردہ فتنوں کا دشمن ہے۔

اب سرمایہ دار اور غریب کو لو۔ سرمایہ دار پر کتنی پابندیاں ہیں۔ زکوٰۃ آمدنی پر نہیں لی جاتی بلکہ اصل زر کے حساب سے وصول کی جاتی ہے۔ جس کے پاس چالیس روپے سے زیادہ ہے وہ اسلام کے رو سے سرمایہ دار ہے۔ اس میں ۲½ فیصدی ایک سال غریب کے لیے کم از کم حصّہ ہے۔ اگر غریب آبادی کی زندگی کے اسباب اس روپے سے پورے نہ ہوں تو حاکم کو کوئی امر مانع نہیں کہ وہ اُمراء کی جائیداد سے جو چاہے وصول کرے۔ سرمایہ دار کی حفاظت مذہب یا قانون کا فرض نہیں۔ بلکہ سوسائٹی کی حفاظت سب سے اہم فرض ہے سُود حرام اسی لیے ہوا کہ سرمایہ دار غریبوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ نہ سکے اور سوسائٹی میں امیر اور غریب کا قابلِ ذکر امتیاز پیدا نہ ہو۔

اسی اسلام کے اقتصادی اصولوں نے واضح کر دیا کہ زمین اور دولت خدا کی ملک ہے۔ غریب کے لیے جو وصول کیا جاتا ہے۔ وہ رحم یا رعایت یا احسان کے قابل نہیں بلکہ اس کا حق ہے۔ حاکم کا فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ دنیا کی دولت کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ اکٹھی نہ ہو۔ اگر ایسی صورت ہو تو وہ جائیداد کو بحق سرکار ضبط کرنے کا حقدار ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے خالدؓ بن ولید کی نصف جائیداد اس جرم میں ضبط کر لی کہ تم سرمایہ دار ہو گئے ہو۔ اور خالدؓ بن ولید جیسے جلیل القدر صحابی کے اعتراض کی بھی دربارِ خلافت میں

اسلام اور نظامِ جاگیرداری

تالیف

مولانا مناظر احسن گیلانی

شنوائی نہ ہوئی تو بہ دیگراں چہ رسد۔

اسلام کو روس کے اقدامات سے کوئی خوف نہیں، بلکہ
اس کا اقتصادی پروگرام اسلامی پروگرام ہے۔"

سوویٹ روس سرمایہ دار کے مقابلہ میں غریبوں کا حامی ہے۔ ان کا اصولِ مساوات اسلامی شریعت سے ماخوذ ہے۔ اسلام سے پہلے صنفِ نازک کی حالت ذلیل تھی۔ غلام پر عرصۂ حیات تنگ تھا۔ غریب کی دنیا تاریک تھی۔ اسلام نے دنیا کو مساوات کی بنیاد پر نئی تعمیر کی دعوت دی۔

روس کے اقدامات اس اسلامی دعوت کی تجدید ہیں
صحیح یہ ہے کہ مساوات کی جزئیات کے بارہ میں روس
کو ابھی اسلام سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ لیکن افسوس کہ
مسلمانوں کو روس سے خوفزدہ کیا جارہا ہے۔"

سرمایہ دار حکومتوں نے جب دیکھا کہ یہ روس کی تحریک اسلام کی قوتِ عمل سے مل کر سرمایہ داری کا خاتمہ کردے گی۔ اور نسلِ انسانی میں یتیم مکہ کا پیغامِ مساوات تشنۂ تکمیل نہ رہے گا۔ تو انہوں نے مساوات کے دو خواہشمند گروہوں کو جدا رکھنے کے لیے سارا زور صرف کردیا۔

دنیا کے مسلمان کو میرا یہ پیغام دیں کہ وہ جس ملک کا باشندہ بھی ہو وہاں اس سے اس کثرت سے نیک اعمال سرزد ہوں کہ وہاں کے غیر مسلم باشندے اسے ملک کا محسن اور بنی نوعِ انسان کا خدمت گذار سمجھیں۔ اسلامی تسلط کے عجمی مفہوم سے قطع نظر کرکے خدمت اور قربانی کی اساس و بنیاد پر قوموں اور ملکوں میں امتیازی جگہ حاصل کرنا چاہیئے۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱	پیش لفظ	۶۶
۲	مُقدّمہ	۶۹
۳	تعارف (مصنّف)	۸۳
۴	وجہ تصنیف	۸۴
۵	روم و ایران پر اسلام کی بالادستی	۸۵
۶	اِسلامی فتوحات کی غرض و غایت	//
۷	شاہ ولی اللہ کا نظریہ جاگیرداری و زمینداری کا استیصال	۸۶
۸	زمین اس کی جو جوتے	//
۹	دربارِ فاروقؓ میں عراقی کسان کی فریاد	۸۷
۱۰	شاہ ولی اللہ کی عظمت	۸۸
۱۱	استیصال جاگیرداری، نبی آخر الزمان کا منصوبہ	//
۱۲	اعترافِ حقیقت	۸۹
۱۳	عمرِ فاروقؓ کا جواب	//
۱۴	انصارِ مدینہ خود کاشت کرتے تھے	۹۰
۱۵	قبیلہ اوس کے سردار کی ہمقبیلوں میں گدّے	//
۱۶	قصّہ بنی حارثہ	۹۱
۱۷	مدینہ میں ورود رسول مقبولؐ اور کرایہ زمین کی پہلی اطلاع	۹۳
۱۸	کرایہ زمین کے خلاف پہلا فیصلہ	۹۴

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱۹	دربارِ رسالت میں زمینداروں کی طلبی	۹۴
۲۰	کرایہ زمین کی حتمی ممانعت	۹۵
۲۱	اللہ اور رسولؐ کی فرمانبرداری کرایہ زمین سے زیادہ نفع بخش ہے۔	۹۶
۲۲	فرمانِ نبویؐ	//
۲۳	رافع بن خدیج کا اجتہاد	۹۸
۲۴	رافع بن خدیج کا رجوع	۹۹
۲۵	امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ	۱۰۲
۲۶	زمینداری کے خلاف آئمہ خلافت کا اجماع	۱۰۴
۲۷	رسول اللہؐ نے تاریخ عالم میں سب سے پہلے زمینداری کا استیصال فرمایا۔	۱۰۸
۲۸	زمینداری کے متعلق غلط فہمی کا سبب	۱۰۹
۲۹	ممانعت زمینداری کے خوشگوار اثرات	۱۱۷
۳۰	امام لیث بن سعد کا نظریہ	۱۱۸
۳۱	صرف دو صورتوں کا دروازہ کھلا رہ گیا	۱۱۹
۳۲	مخابرت کا صحیح مفہوم	۱۲۴
۳۳	کرایہ زمین یہودیوں کی ایجاد ہے	۱۲۶
۳۴	سُود و ربا اور مزارعت و مخابرت، یہود کی ایجاد	۱۲۸
۳۵	خیبر، ایران اور روم کی فتح کا ایک ہی نصب العین	۱۲۹
۳۶	یہود کے ساتھ معاملے کی حیثیت	//

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۳۷	صحابہ میں بٹائی کی بجائے مشترکہ کاشت کا رواج تھا	۱۳۱
۳۸	ممانعت زمینداری پر حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب کا اتفاق ہے	۱۳۵
۳۹	غلط فہمی کی اصل وجہ	۱۳۷
۴۰	زمین کے بارے میں اسلامی ضابطہ	۱۳۸
۴۱	سست کاشتکار کو تنبیہ	۱۴۲
۴۲	رسولِ اکرمؐ نے کسان کی گھٹے والی ہتھیلی کو بوسہ دیا	۱۴۴
۴۳	اصلاحِ اراضی کا پیغمبر	۱۴۵
۴۴	"قضاً و دیانتہً" کا مفہوم	۱۴۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم نے "اسلام اور نظام زمینداری جاگیرداری" کے موضوع پر ایک ٹھوس اور مدلل مقالہ سپردِ قلم کیا تھا

کچھ عرصہ پہلے جناب مولانا ابوالخیر مودودی صاحب نے یہ مسوّدہ جناب ملک معراج خالد صاحب سابق وزیرِ اعلیٰ پنجاب و حال وفاقی وزیر قانونی و پارلیمانی امور حکومتِ پاکستان برائے اشاعت عنایت کیا تھا، مولانا صاحب کا منشاء یہ تھا کہ آج کے حالات میں جب کہ ہمارا معاشرہ ہر لحظہ تغیّر پذیر ہے، اور لوگوں کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر گوناگوں اقتصادی و معاشی مشکلات کا سامنا ہے، اور جب کہ زمینداری اور جاگیرداری کا موجودہ استحصالی نظام شدّت کے ساتھ زیرِ بحث ہے، اس مسوّدے کی اشاعت ایک علمی و فکری رہنمائی کا باعث بن سکے گی۔

اس خیال کے پیشِ نظر محترم ملک صاحب نے یہ مسوّدہ از راہ کرم محکمۂ اوقاف پنجاب کے سپرد کیا۔ ہم نے مسوّدے کو بغور پڑھا، اس کے مندرجات کا جائزہ لیا، اور اس نتیجے پر پہنچے کہ مولانا گیلانی مرحوم کی یہ تحریر اگرچہ مختصر ہے اور حالیہ وقت کی تالیف نہیں ہے۔ مگر اس کی افادیّت مسلّم ہے اور پورے طور پر موجودہ حالات میں دینی، علمی اور فکری رہنمائی کا ذریعہ ہے۔

زیرِ نظر مسوّدے پر کافی محنت کرنا پڑی، فقہائے اسلام کی قدیم مبسوط اور مفصل کتب کے بے شمار حوالے دیئے گئے ہیں۔ مثلاً صحاح ستّہ کے

علاوہ فتح الباری لابن حجر، المحلی لابن حزم، المبسوط لامام سرخسی، شرح السیر الکبیر لامام سرخسی، کتاب الخراج لیحیی بن آدم، کنز العمال لعلی المتقی، فتح القدیر لامام ابن الہمام، احکام القرآن للجصاص، رد المختار لابن عابدین، ازالۃ الخفاء لشاہ ولی اللہ وغیرہ کتب کے حوالہ جات جگہ جگہ پیش کئے گئے ہیں۔ مسوّدے کے تمام حوالوں کا اصل کتب سے مقابلہ کیا گیا، بعض حوالے مولانا مرحوم نے قدیم ایڈیشنوں سے لیے تھے۔ اب وہ ایڈیشن بازار میں یا لائبریریوں میں موجود نہیں ہیں، ان کی جگہ نئے ایڈیشنوں نے لے لی ہے۔ ان حوالوں کو صحیح کیا گیا۔ مسوّدے میں ذیلی عنوانات نہ تھے، مسلسل عبارت تھی، قارئین کی سہولت کے لیے ذیلی عنوانات قائم کئے گئے اور ان کی فہرست بنائی گئی۔ بہرحال ان تمام مراحل اور مدارج سے گزرنے کے بعد اب یہ تحریر قارئین کے سامنے ہے۔

ہماری یہ خواہش ہے کہ مولانا مرحوم کی اس مدلّل تحریر کو غور و فکر کا ذریعہ بنایا جائے، مولانا مرحوم نے کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کی، کوئی دعویٰ از خود پیش نہیں کیا، اور نہ پہلے سے کسی خاص نظریئے کی تائید و حمایت ان کے پیشِ نظر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں مثالی اور فلاحی مملکت قائم کرنے کے لیے جو کچھ کیا، اور پھر خلفائے راشدین نے عوام کی فلاح و بہبود کی خوشحالی کے لیے جو عملی اقدامات کئے مولانا نے اس کی مختصر اور سادہ سی تصویر کھینچی ہے۔

جناب مولانا گیلانی مرحوم نے حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کی تحقیق کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ابتدائے اسلام میں ایران و روم کی فتح کی غرض و غایت یہ تھی کہ اس جاگیردارانہ طبقہ کا مکمّل استیصال کیا جائے جو حکومت

اور کاشتکاروں کے درمیان جبراً گھس پڑا تھا۔ مولانا صاحب اس تحقیق کی روشنی میں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ موجودہ جاگیرداری و زمینداری کا نظام بھی انہیں استحصالی اصولوں پر قائم ہے اور اس کا استیصال خلفائے راشدین کی سُنّت کی اتباع ہے۔ آپ نے قرآن و سنّت کی تعلیمات اور فقہ و تاریخ کی مستند کتب کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ نظامِ زمینداری اور جاگیرداری اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ مولانا کی تحقیق خالصتہً اسلامی و دینی نقطہ نظر کی ترجمان ہے، جس میں جدید علوم سے تأثر اور استفادے کو قطعاً دخل نہیں، انہوں نے اپنی کتاب "اسلامی معاشیات" فاتحہ الکتاب میں اس بات کا اظہار فرمایا ہے:

"یہ ایک رُخ کی بات ہے جو ایک رُخی تعلیم کے ایک طالب العلم کی طرف سے پیش ہو رہی ہے۔"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدّمہ

ذرائع پیداوار کی وسعت

انسانی آبادی اور ذرائع پیداوار میں توازن، مسئلہ معاش کا اہم اصول ہے۔ قرآن نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب کی پیداوار کو انسان کی روزی "رزقاً للعباد[2]" قرار دے کر ذرائع پیداوار میں بے انتہا فراخی اور وسعت پیدا کر دی۔ انسان میں تسخیرِ کائنات "سخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعاً[3]" کا جذبہ بیدار کر کے ان وسیع و عریض ذرائع کو انسانی تصرّف میں لانے کی طرف توجہ دلائی۔

وابتغوا من فضل اللہ[4]

تلاش کرو اللہ کا فضل (روزی)

ذرائع پیداوار اور مسئلہ ملکیّت

ذرائع پیداوار کی ملکیّت کا معاملہ معاشی مسئلے کا اہم ترین پہلو ہے۔ قرآن نے ذرائع پیداوار کو خالقِ کائنات کی ملکیّت قرار دے کر اس نزاعی مسئلے کو ہمیشہ کے لیے حل کر دیا:

"للہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض[5]"

جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کا ہے۔

ذرائع پیداوار میں مساوات

روزی کے ذخیروں "اقواتھا" سے استفادے کا طریق کار مسئلہ معاش میں بنیادی اہمیّت رکھتا ہے۔ قرآن نے اس مسئلہ کو اس طرح حل کیا کہ تمام انسانوں کو استفادے میں مساوی طور پر شریک کر دیا:

"سواءً للسائلین[6]"

برابر ہے تلاش و جستجو کرنے والوں کے لیے۔"

چونکہ معاش ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اس لیے نسلِ انسانی کے کمزور طبقہ عورت کو بھی اس مساوات میں برابر شریک بنانے کے لیے خاص طور پر وضاحت فرمائی:

"للرجال نصیب مما اکتسبوا و للنساء نصیب مما اکتسبن[7]

مردوں کے لیے حصّہ ہے اس میں جو وہ کمائیں اور عورتوں کے لیے حصّہ ہے جو اس میں سے جو وہ کمائیں۔"

انسان صرف اس کمائی میں تصرّف کر سکتا ہے۔ جسے وہ خود اپنی محنت سے کمائے:

"لیس للانسان الا ما سعیٰ[8]

نہیں ہے انسان کے لیے مگر وہی جو اس نے کمایا۔"

صلاحیّتوں میں تفاوت کی کمی

قرآن نے انسان کی ذہنی و جسمانی صلاحیّتوں میں تفاوت کے پیشِ نظر کمائی

کے نقطہ نظر سے بعض کے بعض پر تفوق کو تسلیم کیا ہے:

"واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق"[۹]

اللہ نے رزق (دولت) میں بعض کو بعض پر فضیلت دی"

اس تفاوت میں اللہ کی یہ حکمت پنہاں ہے کہ جو لوگ پیدائشی طور پر معذور ہوں یا ناگہانی آفات کا شکار ہو کر خود کمائی کرنے کے اہل نہ رہیں، ان کی ضروریات کی کفالت ان لوگوں پر ڈالی جائے جنہیں قدرت نے وافر صلاحیتوں سے نوازا ہو۔

"فی اموالھم حق للسائل والمحروم"[۱۰]

ان کی کمائی میں محتاج و محروم کا حق ہے"

ان تعلیمات کے زیر اثر لوگوں کے ذہنوں میں خود بخود یہ سوالات ابھرنے لگے کہ اپنی کمائی سے کتنا خرچ کریں اور کتنا پاس رکھیں۔ قرآن نے اس بارے میں ایک اصولی بات بتا دی ہے:

یسئلونک ماذا ینفقون ط قل العفو[۱۱]

آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، کہہ دیجئے کہ جتنا ضرورت سے زائد ہو"

محتاج و محروم، باصلاحیت کی کمائی میں حکماً شریک ہے

قرآن نے معذور و محروم افراد ملت کو باصلاحیت افراد کی کمائی میں حکماً شریک کر کے مسئلہ معاش کی تاریخ میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس انقلاب کا نتیجہ یہ ہوا کہ باصلاحیت افراد زائد از ضرورت کمائی دوسروں کو دیتے وقت یہ ایمان رکھتے تھے کہ ان کی کمائی میں ایک متعین حق محتاج و محروم لوگوں کا ہے:

والذین فی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم[۱۲]"

اس آیت میں یہ ہدایت بھی کی گئی ہے کہ ہر معاشرے کو اپنے معاشرتی و

اقتصادی حالات کے پیش نظر ہر فرد کی بنیادی ضروریات کا تعین کرنا چاہیئے تاکہ باصلاحیت اپنی زائد از ضرورت کمائی کا تعین کر سکیں۔ اور معذور کی بنیادی ضروریات کی کفالت ہو سکے۔

سرمایہ دارانہ ذہنیت کا استیصال

قرآن نے انسان کا معاشی مسئلہ حل کرتے وقت اس سرمایہ دارانہ ذہن کو بھی سامنے رکھا جو یہ بات پھیلاتا ہے کہ جب زائد از ضرورت کمائی پر انسان کو تصرف کا حق حاصل نہیں ہو گا تو وہ زائد از ضرورت کمائی ہی کیوں کرے گا؟ قرآن نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ قدرت نے انسان کو جو صلاحیتیں عطا کی ہیں، وہ ان میں سے ہر ایک کا جواب دہ ہے، جو شخص جس نسبت سے ناجائز کاموں پر اپنی صلاحیتوں کو ضائع کرے گا یا جائز کاموں پر صرف کرنے میں تساہل برتے گا، اسی نسبت سے سزا و جزا کا مستحق قرار پائے گا۔

ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا"[۱۳]

کان، آنکھ اور دل ان سب (صلاحیتوں) کے بارے میں یقیناً باز پرس ہو گی"

صلاحیتیں امانت ہیں

صلاحیتیں اللہ کی طرف سے انسان کو بطور امانت دی گئی ہیں۔ اور اس امانت کی ادائیگی ان کے صحیح اور کامل استعمال سے ہو گی۔ قرآن نے ایسے انسانوں کی تعریف:

"القوی الامین"[۱۴] باصلاحیت، امانت دار۔

کے الفاظ سے کی ہے۔ قرآنی تعلیمات سے سرشار لوگ فرائض منصبی کی ادائیگی کے وقت اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں اور اپنی محنت و مشقت کی کمائی میں جب دوسروں کو اس میں شریک کرتے ہیں تو خلوص نیت کے ساتھ ایسا کرتے ہیں:

"تثبیتا من انفسھم"[15]

ثبات اور قرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔

خلوص نیت سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں نہ ریا و فخر کا مظاہرہ ہیں، نہ احسان جتاتے ہیں، اور نہ بیگار لینے کا خیال دل میں لاتے ہیں، بلکہ اپنی کمائی میں محتاج و محروم کی شرکت کو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے قریضہ سمجھتے ہیں اور اس فرض کی ادائیگی کے صلے میں اس کی خوشنودی کے طلبگار ہوتے ہیں۔

"وما تنفقون الا ابتغاء وجہ اللہ"[16]

اور جو کچھ اس طرح خرچ کرو گے، اللہ کی خوشنودی کے لیے کرو گے"

وہ اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ جو کمائی نمائش کرنے اور بیگار لینے کے جذبے کے تحت خرچ کی جائے وہ ضائع ہو جاتی ہے۔

لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی[17]

اپنی کمائی احسان جتا کر اور بیگار لے کر ضائع نہ کرو"

معذور و مصیبت زدہ کی عزت نفس کی برقراری

قرآنی تعلیمات پر مبنی معاشی نظام محتاج و محروم اور مصیبت زدہ کو با صلاحیت لوگوں کی کمائی میں شریک کرتے وقت ان کی عزت نفس کو برقرار رکھنے کی پوری

ضمانت دیتا ہے، اوپر اس بات کی وضاحت ہو چکی ہے کہ با صلاحیت انسان کی زائد از ضرورت کمائی محروم و محتاج کا حق ہے۔ یہ حق حقداروں کی طرف لوٹاتے وقت قرآن نے صرف اس شخص کو اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرایا ہے جو احسان جتائے بغیر اور کسی کو جسمانی اور روحانی ٹھیس لگائے بغیر ایسا کرتا ہے

"لا یبتغون ما انفقوا منا ولا اذی لھم اجرھم عند ربھم"[18]

نہ اس خرچ کا احسان جتاتے ہیں اور نہ تکلیف دیتے ہیں، ایسے لوگوں کا اجر ان کے پروردگار کے پاس محفوظ رہتا ہے"

اور جو لوگ اس حق کو لوٹاتے وقت محروم اور مصیبت زدہ پر احسان جتاتے ہیں اور انہیں جسمانی و روحانی تکلیف پہنچاتے ہیں۔ ان کی کمائی برباد ہو جاتی ہے:

"لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی"[19]

احسان جتا کر اور تکلیف دے کر اپنی کمائی ضائع نہ کرو"

دکھاوا بے ثمر رہتا ہے

جو شخص اپنی زائد از ضرورت کمائی میں دوسروں کا حق خیال نہیں کرتا اور اسے:

"رئآء الناس"[20]

لوگوں کو دکھاوے کے لیے"

یا احسان جتانے اور اذیت دینے کے لیے استعمال کرتا ہے، اسے ایک ایسی سنگلاخ چٹان سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جس پر اتفاق سے پڑی ہوئی مٹی اس کی اصلیت کو چھپائے ہوئے ہو، زور کا مینہ اسے ننگا کر دے اور

اس کی اصلیت لوگوں پر واضح ہو جائے:

فمثله كمثل صفوان عليه تراب فاصابه وابل فتركه صلدا[۲۱]"

"اس کی مثال اس چٹان کی سی ہے جس پر تھوڑی سے مٹی پڑی ہو اور اس پر زور کا مینہ برس کر اسے صاف کر ڈالے۔"

اسلام نے انفاق کی بنیاد خلوص نیت سے اللہ کی خوشنودی کے حصول کو قرار دیا ہے۔ جسے ایک زرخیز ٹیلے پر واقع باغ سے تشبیہ دی گئی ہے جس پر اگر زور کا مینہ برسے تو وہ دوگنا پھل لائے اور اگر محض پھوار بھی ہو تو اس سے بھی سرسبز و شاداب رہے:

"ومثل الذين ينفقون اموالهم ابتغاء مرضات الله وتثبيتا من انفسهم كمثل جنة بربوة اصابها وابل فاتت اكلها ضعفين فان لم يصبها وابل فطل[۲۲]"

جو لوگ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خلوص نیت سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک باغ کی سی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو، جب اس پر مینہ پڑے تو دوگنا پھل لائے اگر مینہ نہ پڑے تو پھوار ہی کافی ہے۔"

قرآنی تعلیمات کی رو سے ذرائع پیداوار اللہ کی ملکیت ہیں۔ مسئلہ معاش میں سہولت پیدا کرنے کے لیے ان ذرائع سے استفادے کی یہ صورت پیدا کی کہ انہیں سب کے لیے مشترک قرار دیا۔ صلاحیتوں میں تفاوت میں حکمت رکھی کہ محتاج و معذور و محروم لوگوں کی کفالت، باصلاحیت لوگوں پر ڈالی جا سکے اور اس شراکت کو فرض قرار دیا اور اس فرض کی ادائیگی کو باصلاحیت لوگوں کے لیے روحانی تسکین اور اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ بنایا اور معذور و محروم لوگوں کی

کی عزت نفس کی برقراری کو ملحوظ رکھا۔ اس طرح ایک ایسے متوازن معاشرے کی تشکیل کے لیے بنیادی اصول دے دیئے جو ہر قسم کے استحصال سے پاک ہو۔

قدیم ظالمانہ معاشی نظام کے مفاسد کا استیصال

اسلام نے جہاں عدل و انصاف پر مبنی نئے معاشی نظام کو قائم کیا وہاں قدیم ظالمانہ معاشی نظام کے مفاسد کی نشان دہی بھی کی اور ان کے استیصال کے لیے مؤثر اقدامات کیے۔ قدیم معاشی نظام میں چند لوگ ذرائع پیداوار پر قابض ہو کر انسانوں کی کثیر آبادی کو معاشی غلام بنا لیتے تھے، اسلام نے ذرائع پیداوار کو اللہ کی ملکیت قرار دیا۔ اور ان سے استفادے کے لیے سب انسانوں کو مساوی حقوق عطا کئے۔

زمین اور صنعت و تجارت

زمانہ قدیم سے زمین اور صنعت و تجارت سب سے بڑے ذرائع پیداوار رہے ہیں، اگرچہ زمین کو ہمیشہ اوّلیت حاصل رہی۔ ذرائع پیداوار کو ذاتی ملکیت میں لینے کے رواج سے جتنے مفاسد پیدا ہوئے، قرآن نے انہیں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ صنعت و تجارت میں جن بدعنوانیوں کا ارتکاب ہو رہا تھا۔ قرآن نے ان پر مکی دور کی آیات میں خاص طور پر سخت تنقید کی۔

سود و ربا

قرآن نے صنعت و تجارت میں پیدا ہونے والے مفاسد کے اسباب

کی نشاندہی کی اور ان کے لیے ایک جامع اصطلاح "ربا" استعمال کی، اور حکم دیا

"وذروا ما بقی من الربوا"[۲۳]

جو کچھ بھی ربا (سود) باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو۔"

ربا کے تباہ کن نتائج کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ ایمان باللہ اور ربا کو دو متضاد عقیدے قرار دیا اور حکم دیا کہ اگر ایمان باللہ کا عقیدہ رکھتے ہو:

ان کنتم مومنین"[۲۴] اگر تم ایماندار ہو۔

تو ربا چھوڑ دو اور اگر ربا کو نہیں چھوڑ سکتے تو اللہ اور اس کے رسول ؐ سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

"فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔"[۲۵]

لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔"

ربا کی تعریف یہ ہے:

"الربا: الفائدۃ والربح الذی یتناولہ المرابی من مدینۃ"[۲۶]

ربا ہر اس قلیل یا کثیر فائدہ یا نفع کو کہتے ہیں جو مالدار و سرمایہ دار اپنے مال و سرمایہ کے بدلے کسی ضرورت مند سے قرض کے صلے میں حاصل کرتا ہے۔"

یہ فائدہ خواہ بلا واسطہ مال میں اضافے کی صورت میں ہو، خواہ بالواسطہ جسمانی بیگار اور انسانی محنت کے استحصال کی شکل میں ہو، ربا کہلائے گا۔ علاوہ ازیں ربا ہر قسم کے تجارتی، سماجی و معاشرتی لین دین کے باہمی معاملات استحصال کی جملہ اقسام پر مشتمل ہے۔[۲۷]

مزارعت و مخابرت

سب سے بڑے ذریعہ پیداوار زمین کو ذاتی ملکیت میں لینے کے نتیجے میں جاگیرداری اور زمینداری کا استحصالی نظام پیدا ہوا۔ اسلام نے اس نظام کے مقاسد کے اسباب کی نشاندہی مزارعت اور مخابرت کی اصطلاحات سے کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو بٹائی یا لگان پر دینے سے منع فرمایا: نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن کراء المزا[۲۸]

ایک اور موقع پر اس کی وضاحت یوں فرمائی جس کے پاس کوئی زمین ہو اسے چاہیئے کہ یا تو خود کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو زراعت کے لیے دیدے، مگر کرائے پر نہ دے، نہ تہائی پیداوار پر، نہ چوتھائی پر، نہ ایک مقررہ مقدار غلہ پر۔[۲۹]

مخابرت کے بارے میں آپ کا فرمان ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المخابرۃ قلت وما المخابرۃ قال ان تاخذ الارض بنصف او ثلث او ربع۔[۳۰]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرت سے منع فرمایا ہے راوی نے حضرت زید بن ثابت صحابی رسول ؐ سے پوچھا، مخابرت کیا ہے؟ حضرت زید ؓ نے جواب میں کہا کہ مخابرت یہ ہے کہ تم آدھی تہائی یا چوتھائی پیداوار کے عوض زمین لو۔"

امام زیلعی ؒ نے بٹائی، لگان، مستاجری وغیرہ کی جملہ اقسام کی ممانعت نقل کی ہے: واخرجہ البخاری ایضاً عنہ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المحاقلۃ والمخابرۃ والملامسۃ والمنابذۃ والمزابنۃ۔[۳۱]

جلیل القدر صحابہ سے مزارعت و مخابرت کی ممانعت کے بعد امام ابن حزمؒ نے خلافتِ اسلامیہ کے عظیم تابعین کا اس پر اجماع نقل کیا ہے۔[۳۲] عکرمہؒ، مجاہدؒ اور عطاؒ (مکہ)

قاسم بن محمد (مدینہ) مسروق اور شعبی (کوفہ) ابن سیرین اور حسن بصری (بصرہ) مکحول (دمشق) طاؤس (یمن) ان سب نے زمینداری اور جاگیرداری کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے مزارعت کے خلاف امام اعظمؒ کا مشہور فتویٰ اس طرح نقل کیا ہے:

اذا اعطی الرجل الرجل ارضا مزارعة بالنصف او الثلث او الربع او اعطی نخلا او شجرا معاملة بالنصف او قل من ذلك او اكثر فان ابا حنيفة كان يقول هذا كله باطل[۳۳]

"جب کوئی شخص زمین آدھی یا تہائی یا چوتھائی پر کسی دوسرے شخص کو دے یا کھجور و دیگر پھلوں کے باغ کا معاملہ آدھی یا اس سے کم و بیش بٹائی پر کرے تو امام ابو حنیفہ ایسی صورت میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ سب باطل ہے۔"

مزارعت و مخابرت کی واضح ممانعت سے ثابت ہوا کہ ذرائع پیداوار کا صرف اسی حد تک تصرّف جائز ہے، جس حد تک ان سے خود اپنی محنت سے کمائی کی جا سکے۔ زائد از ضرورت زمین، زائد از ضرورت سرمائے کی طرح ہے اور زائد از ضرورت سرمائے۔ محتاج و محروم کے حق کو روکنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب کی خبر سنائی ہے:

والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها في سبيل الله

فبشرهم بعذاب اليم يوم يحمى عليها في نار جهنم فتكوى بها جباههم وجنوبهم وظهورهم هذا ما كنزتم لانفسكم فذوقوا ما كنتم تكنزون[۳۴]

جو لوگ سونا چاندی (سرمایہ) جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو اس دن کے دردناک عذاب کی خبر سنا دو جس دن وہ (مال دوزخ کی آگ میں خوب گرم کیا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیاں، پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی اور کہا جائے گا کہ) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، سو جو تم جمع کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔"

صنعت و تجارت میں سود و ربا اور اراضیات میں مزارعت و مخابرت کے مترادف ہونے کا ثبوت خود ہی نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

من لم يذر المخابرة فليوذن بحرب من الله ورسوله[۳۵]

جو شخص مخابرت سے باز نہ آئے وہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔"

آپ پہلے دیکھ چکے ہیں کہ یہ وہی اعلانِ جنگ ہے جسے قرآن نے سود و ربا کا کاروبار نہ چھوڑنے والوں کے خلاف کیا تھا:

"فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله[۳۶]

اگر سودی کاروبار سے باز نہ آؤ تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

بعض حدیثوں میں مزارعت پر "ربوا" کے لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے۔

عن ابن ابی نُعمٍ حدثنی رافع بن خدیج انه زرع
ارضًا فمر به النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یسقیھا فسألہ
لمن الزرع فقال زرعی ببذری وعملی۔ لی الشطر ولبنی
فلان الشطر۔ فقال اربیتما۔ فردّ الارض علی اھلھا وخذ نفقتک[۳۷]

ابن ابی نعم سے روایت ہے کہ مجھ سے رافع بن خدیج نے بیان کیا کہ انہوں نے ایک زمین کاشت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا اور وہ کھیتوں کو پانی دے رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ یہ زمین اور کھیتی کس کی ہے۔ کہا بیج اور کام کی شرط پر یہ کھیتی میری ہے اس میں ایک حصّہ میرا ہوگا اور بنی فلاں کا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں نے سُود کا معاملہ کیا۔ زمین مالکوں کو واپس کر دو۔ اور ان سے اپنے اخراجات لے لو۔"

فقہ حنفی کی مسلّمہ کتاب الہدایہ کی تعلیمات ملاحظہ ہوں:

من اجر ارض مکۃ فکانما اکل الربوا[۳۸]

جس نے مکّہ معظّمہ کی زمین کا کرایہ لیا۔ اس نے گویا سود کھایا۔"

اب تک کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے:

الف۔ ذرائع پیداوار صرف اللہ کی ملکیّت ہیں۔

★ انسانی صلاحیّتوں میں تفاوت، محتاج و محروم کی کفالت کا سبب ہے۔

★ خداداد صلاحیّتیں اللہ کی امانت ہیں، اس امانت کی ادائیگی صلاحیّتوں کے کامل استعمال پر موقوف ہے۔

★ محتاج و محروم شخص یا صلاحیّت انسان کی کمائی میں خیراۃً نہیں حکماً

شریک ہے۔

★ یا صلاحیّت کی زائد از ضرورت کمائی میں محتاج و محروم کی شرکت کا محرک اللہ کی خوشنودی کا حصول ہے۔

★ مسئلہ معاش میں فساد کا اصل سبب اراضیات میں مزارعت و مخابرت اور صنعت و تجارت میں سود و ربا ہے۔

★ اسلام میں مزارعت و مخابرت اور سود و ربا مترادف ہیں اور دونوں کی ممانعت ہے۔

محمد یوسف گورایہ
ڈائریکٹر

علماء اکیڈیمی محکمہ اوقاف پنجاب
بادشاہی مسجد لاہور
یکم اپریل ۱۹۷۵ء

مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم

برّصغیر پاک و ہند کے مشاہیر فضلاء میں سے تھے۔ صاحب طرز مصنّف، ذہن و ذکا اور طباعی میں منفرد تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے اکتساب علم کیا اور تحصیلِ علوم سے فراغت کے بعد دارالعلوم کے دینی و علمی ترجمان ماہنامہ "القاسم" کے رئیس التحریر منتخب کئے گئے۔ اور طویل عرصے تک اپنی شگفتہ علمی تحریروں سے ہندوستان کے مذہبی، علمی اور فکری حلقوں کو مستفید کرتے رہے۔

اس کے بعد جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے وابستہ ہو گئے۔ ایک مدّت تک وہاں صدر شعبۂ دینیات کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

ایک معلّم سے زیادہ برّصغیر کے اہلِ علم نے آپ کو مصنّف کی حیثیت سے جانا۔ مختلف موضوعات پر مفید علمی تحریریں آپ کے قلم سے نکلیں۔ آپ کی جن کتابوں نے علمی حلقوں میں خراجِ تحسین وصول کیا، اور دُنیائے علم و ادب کا سرمایہ بنیں، ان میں سوانح "ابوذر غفاریؓ"، اسلامی معاشیات، ہزار سال پہلے، مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، قابلِ ذکر ہیں۔

۱۳۷۵ھ ۱۹۵۵ء میں وفات پائی۔

وجہ تصنیف

زمینداروں کے اس طبقہ کو جو نہ خود کاشت کرتے ہیں اور نہ مُفت (اپنی زمین) دوسروں کو (کاشت کرنے کے لیے) دیتے ہیں۔ بلکہ زمین کا کرایہ بشکل نقد یا غلّہ کھاتے ہیں، کیا اسلام اس طبقہ کو ختم کر دینا چاہتا ہے؟ یہ ایک اہم معاشی سوال ہے اور اس پر بحث کی کافی گنجائش ہے۔"

یہ تھا وہ فٹ نوٹ جو میری کتاب "اسلامی معاشیات"[۳۹] نامی کے صفحہ ۳۷۵ پر درج کر دیا گیا تھا۔ کتاب ۱۹۴۷ء میں بمقام حیدرآباد شائع ہوئی جہاں تک میرا تخمینہ ہے، کتاب کئی سال پہلے لکھی گئی تھی، کم و بیش سمجھنا کہ آج سے سات آٹھ سال پہلے ایک اجمالی اشارہ اس فٹ نوٹ کے ذریعہ اس مسئلہ کی طرف کر دیا گیا تھا، جس کی آج کچھ تفصیل کرنا چاہتا ہوں۔

"اسلامی معاشیات" کے حاشیہ پر جس وقت مذکورۂ بالا نوٹ کا اضافہ کر رہا تھا، یہ خیال تو اسی وقت ذہن میں آ چکا تھا کہ وہ زمانہ زیادہ دُور نہیں ہے، جب واقعہ کی شکل میں یہی مسئلہ دُنیا کے سامنے آ جائے گا۔

تاہم اس کی توقع نہ تھی کہ انسانیت کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے منشائے مبارک کی تعمیل پر دنیا اتنا جلد آمادہ ہو جائے گی۔ جس مسئلہ کی طرف اجمالی اشارہ کرتے ہوئے بھی دِل ہچکچاتا تھا، کیسے اُمید کی جا سکتی تھی کہ مرنے سے پہلے دیکھوں گا کہ وہی وقت کا اہم ترین مسئلہ بن جائے گا کیسی عجیب بات ہے، ماننے والوں کو بھی جس مسئلہ کا سمجھانا دشوار تھا،

آج نہ ماننے والے بھی اسی کے سمجھتے پر اپنے آپ کو مضطر اور بے بس پا رہے ہیں، دنیا بڑھتی ہوئی کس کے قدموں پر گر رہی ہے، گرتی چلی جا رہی ہے۔ منجملہ دوسری زندہ شہادتوں کے "التعائے زمینداری" یا "جاگیرداری کے خاتمہ" کا مسئلہ بھی اس کی ایک زندہ اور تازہ شہادت ہے۔

رُوم و ایران پر اسلام کی بالادستی

واقعہ یہ ہے جاننے والے جانتے ہیں کہ عالمگیر نبوّت کبریٰ کا عہدِ انسانی تاریخ کا وہ خالص عہد اور زمانہ تھا، جس میں پرشین امپائر (ایرانی شہنشاہیت) اور رومن امپائر (رومی شہنشاہیت) مشرق و مغرب کی یہ دونوں جبّار و قاہرہ حکومتیں روئے زمین کی تسخیر و دارائی کے لیے باہم دست و گریباں تھیں۔ دونوں میں کشمکش کا طویل تاریخی سلسلہ تھا، جو صدیوں سے جاری تھا۔

عالمگیر کش مکش کے ان ہی دنوں میں اچانک اسلام کا پیغام مشرق و مغرب کی ان دونوں حریف قوتوں کے درمیان سرزمین حجاز سے سربلند ہوا، اور چند سال بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ دونوں ہی کو چت کر کے کرۂ زمین کی سب سے بڑی سیاسی طاقت کا قالب اسلام نے اختیار کر لیا۔

اِسلامی فتوحات کی غرض و غایت

یہ ایک واقعہ ہے جو تاریخ کے روشن دنوں میں گزرا ہے، دوست و دشمن سب ہی کا جانا پہچانا واقعہ ہے، لیکن یہ سوال کہ ان دونوں جہاں پامال اشکباری قوتوں سے اِسلام نے جو ٹکر لی پنجہ آزمائی کی، اس مہم کی غرض و غایت کیا تھی، یعنی ایرانیوں اور رومیوں کے مقابلہ میں اسلام کی جہادی و

جنگی جدوجہد کا سب سے بڑا نصب العین کیا تھا؟

شاہ ولی اللہ کا نظریہ جاگیرداری زمینداری کا استیصال

اِسلامی وثائق اور عہدِ نبوّت و خلافت کی تاریخ کے عمیق اور گہرے مطالعہ کے بعد حکیم الہند سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے دو سو سال پہلے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں اسی سوال کا جو جواب دیا ہے، ان ہی کے الفاظ میں ترجمہ کے ساتھ درج کر دیتا ہوں۔

ان الفارس والروم کانوا متسلطین علی ملاک الارض یاخذون منهم الخراج ولم یکونوا ملاک الارض وزرّاعها ولا ورثوه عن آبائهم واجدادهم فقاتل المسلمون اولئک المتغلبین حتّٰی دفعوهم عن سواد الشام والعراق۔[۴۰]

ایران و روم والے زمین کے حقیقی مالکوں پر زبردستی قبضہ جما کر مسلّط ہو گئے تھے، ان سے مالگذاری وصول کرتے تھے، حالانکہ (زبردستی قبضہ جمانے والوں کا یہ طبقہ) نہ زمین کا مالک تھا نہ کاشتکار اور نہ اپنے باپ دادوں سے وراثت ہی میں یہ زمینیں ان تک پہنچی تھیں، درحقیقت مسلمان انہی زبردستی قبضہ جما کر مسلّط ہونے والوں سے لڑے، تا اینکہ شام و عراق[۴۱] کے زرخیز سرسبز علاقوں سے ان کو مار بھگایا۔"

زمین اس کی جو جوتے

ان متغلبین اور متسلطین کو تو مسلمانوں نے مار بھگایا، اور جس علاقے

سے وہ بھگائے اور کھدیڑے گئے اوس کو۔

ابقاھا ملکًا لمن کان بھا الکفرۃ وضرب علیھم الخراج[۲]

اسی علاقہ کے غیر مسلم باشندوں کی ملک میں باقی رکھا گیا اور ان پر (حکومت) کا خراج لگا دیا گیا۔"

یوں متغلبین اور متسلطین کے اس طبقہ کو جو حکومت اور زمین پر واقعی کام کرنے والوں کے درمیان جبراً گھس پڑا تھا، ان کو درمیان سے نکال کر باہر نکال کر باہر کر دیا گیا۔

دوسرا مسئلہ یعنی عراق و شام کے سواد (زرخیز علاقے) کو اسی علاقے کے کسانوں اور وطن داروں کی ملک میں باقی رکھا گیا، یہ تو خیر ہماری فقہ کا عام مسئلہ ہے۔ لیکن عقلی بات جو شاہ ولی اللہ کے حوالہ سے نقل کی گئی قدیم تاریخی وثائق کا بھی یہی کھلا ہوا اقتضاء ہے۔

دربارِ فاروقی میں عراقی کسان کی فریاد

عہدِ فاروقی میں عراق کے کاشتکاروں کا ایک وفد مدینہ منورہ پہنچا تھا وفد کی نمائندگی کرتے ہوئے ابن الرافیل نامی مرزبان نے حضرت عمرؓ کو خطاب کر کے جو تقریر کی تھی، کتابوں میں وہ محفوظ ہے، اس نے یہ کہتے ہوئے کہ

یا امیر المومنین انا قوم من اھل السواد وکان اھل فارس قد ظھروا علینا واضروا بنا ففعلوا وافعلوا حتیٰ ذکروا[۳]

امیر المومنین ہم لوگ سواد عراق کے رہنے والے ہیں، ایران والے ہم پر چڑھ بیٹھے تھے، انہوں نے بہت دکھ دیا، انہوں نے یہ کیا یہ کیا (آخر میں ابن رافیل نے) عورتوں تک کا ذکر کیا (یعنی عورتوں

کے ساتھ بھی ایرانی دست درازیوں سے کام لیتے تھے)۔"

شاہ ولی اللہ کی عظمت

بہرحال کہنا یہی ہے کہ ایرانیوں اور رومیوں سے مقابلہ و مقاتلہ کی بڑی غرض یہ تھی کہ حکومت اور زمین پر واقعی کام کرنے والے کاشتکاروں کے درمیان تغلب اور تسلّط کے زور سے جاگیرداروں اور زمینداروں کا جو طبقہ گھس پڑا تھا، اسی طبقہ کو خارج کر کے زمینوں کو اُن کے اصلی مالکوں اور ان پر کام کرنے والوں کے سپرد کر دیا جائے، یہ کوئی نیا پیدا کیا ہوا ایسا نظریہ نہیں ہے جسے اس زمانہ کے ماحول کی پیداوار قرار دیا جائے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسی ہندوستان کے ایک محدّث و مجتہد آج سے دو سو سال پہلے اسی خیال کو ظاہر کر چکا ہے۔ اور اس زمانہ میں ظاہر کر چکا ہے۔ جب ہندوستان تو ہندوستان دنیا بھر کے پردہ پر شاید ہی کوئی ہوگا، جس کے دل پر اس کا خطرہ بھی گذرا ہو، اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ بھی فرمایا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں جو ذخیرہ عہدِ نبوّت و خلافت کا پایا جاتا ہے، اس کا صحیح طور پر جو بھی جائزہ لے گا، قدرۃً اسی نتیجہ تک پہنچنے پر اپنے آپ کو مجبور پائے گا، ابن الرافیل کا بیان ایک معمولی مثال ہے۔ لیکن چونکہ یہ ایک جامع مثال تھی، اسی لیے اس کا تذکرہ مناسب معلوم ہوا۔

جاگیرداری کا استیصال نبیٔ آخر الزمان کا منصوبہ

ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ایران و روم میں جو کچھ بھی کیا گیا یہ اسی نبوّتِ کبریٰ

کا صحیح اور واقعی منشاء تھا۔ جس کے بعد آسمان سے بنی آدم کی راہنمائی کے لیے رہتی دنیا تک کوئی روشنی آنے والی نہ تھی۔ استیعاب کے لیے تو کسی مستقل کتاب ہی کا انتظار کرنا چاہیئے، یہاں اجمالاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

اعترافِ حقیقت

ان الفاظ میں پہلے تو متغلبین اور متسلطین کی چیرہ دستیوں کا ذکر کیا اس کے بعد ابن رافیل نے عرض کیا:

فلما سمعنا بکم فرحنا بکم واعجبنا ذلک، فلم نردکم عن شئ حتی اخرجتموھم عنا [۴۴]

پھر جب ہم نے آپ (مسلمانوں کی آمد) کی خبریں سنیں تو ہم بہت خوش ہوئے، اور یہ بات ہمیں پسند آئی، اسی لیے کسی چیز سے آپ لوگوں کو ہم نے نہیں روکا اور نہ مزاحمت کی، بالآخر ایرانیوں کو آپ لوگوں نے ہمارے درمیان سے نکال باہر کیا۔"

اسی کتاب کی دوسری روایت میں ہے کہ ابن الرافیل نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ:

علی ما صالحتمونا [۴۵]

کن شرائط پر ہماری اور آپ کی صلح ہوئی۔"

عمر فاروقؓ کا جواب

جواب میں حکومت کے قانونی مطالبہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عمرؓ

نے فرمایا کہ اس مطالبہ کی تکمیل تم کرو، اور

لکم ارضکم واموالکم [۴۶]

اپنی زمین اور اپنے اموال کے تم مالک بنے رہو۔"

ان چند مقدس فرامین کے درج کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ براہِ راست خود ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ منصوبہ تھا۔

انصارِ مدینہ خود کاشت کرتے تھے

جیسا کہ معلوم ہے کہ قریش مکہ کا تو عام معاشی پیشہ تجارت اور بیوپار تھا، لیکن مدینہ منورہ والوں کا حال قریش سے مختلف تھا، اُن کے معاش کا زیادہ دارومدار نخلستانی اور زرعی پیداواروں پر تھا، صحاح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مشہور فقرہ ہے۔ یعنی

کان یشغلھم عمل اراضیھم [۴۷]

ہمارے انصاری بھائیوں یعنی مدینہ والوں کو اپنی زمینوں پر کام کرنے سے فرصت نہیں رہتی تھی۔"

قبیلہ اوس کے سردار کی ہتھیلیوں میں گٹھے

اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ زمینداری یعنی زمین کے حصّہ کے مالک بن کر کام کئے بغیر زمین سے استفادہ کا طریقہ ان میں عموماً مروّج نہ ہوا تھا، بلکہ براہِ راست اپنی اپنی زمینوں پر خود کام کرنے کے وہ عادی تھے، اسی سے اندازہ کیجئے کہ مدینہ منورہ کے دو قبیلوں اوس و خزرج

میں قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ایک موقعہ پر آتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

قوموا الی سیدکم[۴۸]

کھڑے ہو جاؤ اپنے سردار کی تعظیم کے لیے۔"

بہرحال اپنے قبیلہ کے وہ سردار تھے، اور ان کا شمار مدینہ منورہ کے غیر معمولی سربرآوردہ معززین میں تھا، یہود میں بھی وہ خصوصی احترام کے مستحق سمجھے جاتے تھے، لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ:

"کھیتوں اور نخلستانوں میں کدال اور پھاوڑے سے کام کرنے کی وجہ سے ان کی ہتھیلیوں میں گٹے پڑے ہوئے تھے"[۴۹]

قصہ بنی حارثہ

کچھ بھی ہو، مدینہ کے باشندوں کی اکثریت جہاں تک کتابوں سے پتہ چلتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاشتکاروں اور کسانوں ہی کی تھی البتہ گنے چنے کچھ لوگ جن میں سب سے زیادہ قبیلۂ اوس کے ایک خاندان بنی حارثہ نامی کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ ضرورت سے زیادہ زرعی زمینیں ان کے قبضہ میں تھیں، زرعیات یعنی زرعی مسائل کی متعلقہ روایتوں کے بیان کرنے والے زیادہ تر اسی خاندان کے افراد ہیں، جن میں سب سے زیادہ مشہور حضرت رافع بن خدیج صحابی رضی اللہ عنہ ہیں، خود ان کا قول بخاری میں نقل کیا گیا ہے:

کنا اکثر اھل المدینۃ مزدرعا[۵۰]

تمام مدینہ منورہ والوں میں سب سے زیادہ زرعی زمینیں ہمارے

پاس تھیں۔"

"ہمارے" سے مراد ان کی خاص اپنی ذات سے نہیں ہے بلکہ بنی حارثہ کا خاندان ہے جس کے ایک فرد وہ بھی تھے، صحاح کی عام کتابوں میں مزدرع کی جگہ "حقلا" کا لفظ ہے، اور یہی زیادہ مشہور ہے، مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

بہرحال ضرورت سے زیادہ ہونے کی وجہ سے یا یوں سمجھئے کہ زیادہ زمینیں اس خاندان کے قبضہ میں تھیں کہ خود براہ راست ان کی آبادکاری ان لوگوں کے بس کی بات نہ تھی، اس لیے زائد از ضرورت اراضی کا من مانی شرائط پر حاجت مندوں کے ساتھ بندوبست کر دیا کرتے تھے۔

اسی خاندان کے ایک صاحب جن کا نام اُسید بن حضیر تھا، حضرت رافع بن خدیج رضؓ کے بھتیجے تھے، ان کا بیان کتابوں میں نقل کیا جاتا ہے کہ:

"ہم میں (یعنی بنی حارثہ والوں میں) رواج تھا کہ زمین جو ضرورت سے زیادہ ہوتی اسے تہائی، چوتھائی، نصف پر بایں شرط بندوبست کیا کرتے تھے کہ اچھے قطعات اور کھیت کے جس حصہ تک پانی پہنچ سکتا ہے، اس کی پیداوار بھی ہم لیں گے، اور ہر قطعہ کی تین تین کیاریاں کی پیداوار بھی ہم لیں گے۔"

اس کے بعد اُن کے الفاظ ہیں کہ:

وکان المعیش اذ ذاک شدید۔

اس زمانہ میں زندگی بڑی دشوار تھی۔

بظاہر ان الفاظ سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ان کی کڑی کڑی شرطوں پر بھی لوگ زمینوں کو اُن کے مالکوں سے لینے پر مجبور تھے، آگے

ان ہی کے بجو الفاظ اس روایت میں ہیں، ان کا حاصل یہ ہے کہ:

"بے چارے کسان لوہا یعنی کدال پھاوڑا ہل کے ساتھ کام کرتے تھے، اور کچھ نفع اُن کو مل جاتا تھا۔" [۵۱]

مدینہ میں ورودِ رسولؐ مقبولؐ اور کرایہ زمین کی پہلی اطلاع!

یہی زمانہ تھا کہ دنیا کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ آپ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوتے ہیں، زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح اس شعبہ پر بھی آپ کی نظر پڑتی ہے، جس کا نام "مزارعت" (کھیتی باڑی کا معاملہ) ہے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمینداروں یعنی زمینوں کو بندوبست کر کے کرایہ لینے والے کے خاندان بنی حارثہ میں ایک دن خود رسول اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، سامنے اسی خاندان کے ایک صاحب جن کا نام ظہیر تھا۔ ان کی زمین تھی جس پر ہری بھری کھیتیاں لہلہا رہی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بے ساختہ یہ فقرہ نکلا:

ما احسن زرع ظہیر۔ [۵۲]

ظہیر کی کھیتی کتنی اچھی ہے۔"

لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ظہیر کی کاشت نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ:

"یہ زمین کیا ظہیر کی نہیں ہے؟"

تب آپ کو یہ اطلاع دی گئی کہ:

"جی ہاں زمین تو ظہیر ہی کی ہے، لیکن اس میں کاشت فلاں شخص نے کی ہے۔"

یہ پہلی اطلاع تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس سلسلہ میں پہنچی، اور آپ کو معلوم ہوا کہ زمین کے مالک یہ بھی کرتے ہیں کہ اپنی زمین دوسروں کو کرایہ پر خاص شرائط کے تحت دے دیتے ہیں۔ اور پیداوار کا کافی حصہ حاصل کرتے ہیں۔

کرایہ زمین کے خلاف پہلا فیصلہ!

اس وقت تو جیسا کہ روایت سے معلوم ہوتا ہے، فوری فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ ظہیر جو زمین کے زمیندار تھے، ان کو حکم دیا کہ کاشت کرنے کے مصارف کا تشکار کو ادا کر کے اپنی کھیتی تم واپس لے لو۔ حکم کی تعمیل اسی وقت کر دی گئی۔ [۵۳]

دربارِ رسالت میں زمینداروں کی طلبی

لیکن آپ کے اس فیصلہ سے صحیح طور پر لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشائے مبارک کا پتہ نہ چلا۔

غالباً اسی کے بعد وہ واقعہ پیش آیا، جس کا تذکرہ مختلف الفاظ میں روایتوں میں کیا گیا ہے، سب کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ بنی حارثہ سربرآوردہ افراد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب کیا، جن میں حضرت رافع بن خدیج کے دو چچا جن میں ایک کا نام تو وہی ظہیر تھا، ظہیر کے بھائی کا نام مہیر یا مظہر تھا، ان دو چچاؤں کے سوا حضرت رافع کے ایک ماموں اور ان کے چچا زاد بھائی اسید بن ظہیر کا ذکر بھی اسی سلسلہ میں کیا جاتا ہے۔ بخاری میں ہے حضرت ظہیرؓ کہتے تھے کہ:

دعانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما تصنعون
بمحاقلکم[۵۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ اپنی زرعی زمینوں کے ساتھ تم لوگ کیا کرتے ہو؟"

حالانکہ اجمالاً بنی حارثہ کے طریقۂ کار کا علم اسی وقت رسول اللہ کو ہو چکا تھا، جب اُن کے محلّہ کے کھیتوں کا آپ نے معائنہ فرمایا تھا، مگر تفصیلی حالات کے پوچھنے کے لیے آپ نے پھر بلایا، اور واضح لفظوں میں اپنے منشائے مبارک سے آگاہ کیا۔

کرایہ زمین کی حتمی ممانعت

بنی حارثہ کے زمینداروں تک کو خود حضرت ظہیرؓ اور اسی خاندان کے دوسرے افراد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدّس فرمان کو پہنچاتے ہوئے جن الفاظ میں اطلاع دی تھی، کتابوں میں آج تک وہ محفوظ ہیں، حضرت رافعؓ کا بیان ہے کہ:

سمعت عمی یحدثان اھل الدار اتہٗ صلی اللہ علیہ وسلّم نھٰی عن کراء الارض[۵۵]

میں نے اپنے دونوں چچاؤں (ظہیر اور مہیر سے) سُنا وہ دونوں (محلّہ داروں) سے کہہ رہے تھے کہ زمین کو کرایہ پر بندوبست کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت کر دی ہے۔"

اللہ اور رسولؐ کی فرمانبرداری کرایہ زمین سے زیادہ نفع بخش ہے

اِسی طرح اپنے ماموں جن کے نام کا پتہ نہ چل سکا، ان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت رافعؓ ہی کہا کرتے تھے۔

دخل علیّ خالی یومًا فقال نھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیوم عن امر کان لکم نافعا وطاعیۃ اللہ ورسولہ انفع لنا وانفع لکم[۵۶]

میرے ماموں ایک دن آئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی بات سے منع فرمادیا ہے جو تم لوگوں کے لیے نفع بخش تھی، لیکن اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری ہمارے لیے زیادہ نفع بخش ہے۔"

فرمانِ نبویؐ

اِسی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک کا اعلان ان الفاظ میں حضرت رافعؓ کے ماموں نے کیا کہ:

نھی عن الثلث والربع وکراء الارض[۵۷]

تہائی اور چوتھائی پر اور کرایہ پر زمین دینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا ہے۔"

اسید بن ظہیر رضی اللہ عنہ نے "فرمانِ نبوی" کو اپنے خاندان والوں تک جس طریقہ اور جن الفاظ میں پہنچایا تھا، اس کا تذکرہ سرخسی نے مبسوط میں امام محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے کیا ہے، لکھا ہے کہ ایک دن بنی حارثہ میں اُسید بن ظہیر پہنچے، اور کہنے لگے کہ:

یا بنی حارثۃ قد دخلت علیکم الیوم مصیبۃ۔[۵۹]

اے بنی حارثہ والو! آج تم لوگوں پر مصیبت ٹوٹ پڑی۔"

گھبرا کر لوگ پوچھنے لگے کیا ہوا، تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے لوگوں کو ان الفاظ میں حضرت اسیدؓ نے مطلع کیا کہ:

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کراء الارض[۶۰]

کرایہ پر زمین کو بندوبست کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمادی۔"

یہ بھی ممکن ہے کہ بجائے ایک دفعہ کے بنی حارثہ کے مختلف افراد کے ذریعہ وقفہ وقفہ سے آپ کا پیغام ان لوگوں تک پہنچایا گیا ہو، روایتوں میں اس احتمال کی بھی کافی گنجائش ہے، بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، کچھ بھی ہو بنی حارثہ والوں تک ان ہی کے خاندانی افراد کے ذریعہ سے رسول اللہ کا فرمانِ مقدس جو پہنچا تھا، الفاظ کے معمولی ردّوبدل کے ساتھ بخاری و مسلم اور صحاح کی دوسری کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً بخاری میں ہے کہ:

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کراء المزارع[۶۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زرعی زمینوں کو کرایہ پر بندوبست کرنے سے منع کردیا ہے۔"

یا مسلم میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یوخذ الارض اجرا وحظہ[۶۲]

منع کردیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زمین کے مقابلہ

میں یعنی زمین کو بندوبست کر کے معاوضہ یا کسی قسم کا کوئی حصہ لیا جائے۔"

قریب قریب اسی قسم کے الفاظ صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں ہیں۔ نیز اسی خاندان کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کے متعلق وقتاً فوقتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا جاتا تھا، مثلاً نسائی میں ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ تھوڑا بہت اناج بھی (زمین کا مالک کاشتکار سے نہیں لے سکتا)؟ فرمایا گیا نہیں پوچھا گیا کہ (غلہ نہ سہی) تین بھوسہ کٹوا بھی (زمین کا مالک زمیندار نہیں لے سکتا) فرمایا گیا نہیں۔"

کنز الاعمال میں ابوداؤد، مسند احمد وغیرہ کے حوالہ سے رافع بن خدیجؓ ہی کی طرف یہ روایت بھی منسوب کی گئی ہے کہ:

"زمین کو تہائی، چوتھائی یا اناج کی مقررہ مقدار پر بھی بندوبست کرنا جائز نہیں ہے۔"

رافع بن خدیج کا اجتہاد!

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوت میں جو باتیں پوچھی جاسکتی تھیں سب ہی پوچھی جاچکی تھیں، صرف ایک شکل نقدی بندوبست یعنی فی قطعہ کچھ روپیہ کرایہ کے زمین کا مالک کاشتکار سے وصول کرے، اس کے متعلق انہی رافع بن خدیجؓ سے پوچھا گیا، تو بخاری میں ہے کہ جواب میں انہوں نے فرمایا:

امّا الذھب والورق فلم یکن یومئذٍ۔[۶۳]

تو سونا چاندی اس زمانہ میں نہ تھا۔"

جس کا مطلب ظاہر ہے کہ وہی ہو سکتا ہے جو حافظ ابنِ حجر نے لکھا ہے:

ای یکری بھما ولم یرد نفی وجودھما۔[۶۴]

یعنی سونے چاندی پر کھیتوں کے بندوبست کرنے کا رواج اس زمانہ میں نہ تھا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس زمانہ میں سونے چاندی کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔"

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت رافع رضؓ سے زمینوں کی نقدی بندوبست کا جب سوال کیا جاتا تو کبھی یہ فرماتے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تو منع نہیں کیا۔"

بخاری میں ان کا فتویٰ یا یں الفاظ درج کیا گیا ہے:

لیس بھا باس بالدینار والدرھم۔[۶۵]

یعنی اشرفی اور درہم کی شکل میں زمین کے کرایہ لینے میں مضائقہ نہیں ہے۔"

جس سے ظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ کس کا اجتہاد تھا، یہ خیال کر کے کہ جب عہدِ نبوت میں نقدی بندوبست کا رواج ہی نہ تھا۔ تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے منع کر سکتے تھے۔ اور جس چیز سے رسول اللہ نے منع نہیں کیا ہم اس سے کیوں منع کریں۔[۶۶]

رافع بن خدیجؓ کا رجوع

مگر پھر انہی کو اس کا خیال بھی گذرا کہ کرایہ پر زمین کو بندوبست

کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب روک دیا ہے تو کرایہ خواہ بشکل جنس اور پیداوار ہو یا بشکل نقد ہو، سب ہی کرایہ ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان ہی کی طرف اس قسم کے فتوے بھی کتابوں میں منسوب ہیں، حضرت رافع رضؓ کے پوتے جن کا نام عمران ابن سہل تھا، انہوں نے ایک دفعہ اپنے دادا حضرت رافع رضؓ کو آکر اطلاع دی کہ:

"دادا جان میں نے دو سو درہم پر اپنی زمین کرایہ پر دے دی ہے۔"

یہ سُن کر اپنے پوتے عمران سے حضرت رافع رضؓ نے کہا:

دعہ فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن کراء الارض۔[۶۷]

چھوڑ دو اس کو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔"

ظاہر ہے کہ دادا ابن جانتے اور وہ بھی اس وقت جب ان کے پوتے عمران کاروبار کرنے کی صلاحیت پیدا کر چکے تھے۔ اس زمانہ کا فتویٰ ہے یعنی عمر رضؓ کے آخری زمانہ کی رائے ہے۔

بہر حال بقول ابن حزم نقدی بندوبست کا فتویٰ جو حضرت رافع رضؓ کی طرف کیا جاتا ہے، پہلی بات تو یہی ہے کہ ان کا یہ اجتہادی فتویٰ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہے، پھر فتویٰ کی دونوں صورتیں یعنی جواز و عدم جواز دونوں ہی ان کی طرف منسوب ہیں۔ جواز پر استدلال ان ہی کا یہ نقل کیا جاتا ہے کہ عہدِ نبوت میں نقدی کی بندوبست کا رواج نہ تھا۔ مگر عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہوئے خود ان کی سمجھ میں آیا کہ مطلقاً کرایہ پر زمین کے بندوبست کرنے کی صورت نقدی بندوبست کی بھی ہے

پھر یہ کیوں جائز ہو۔ حافظ ابن حزم کا بیان ہے کہ مطلقاً کرایہ پر زمین کو بندوبست کرنے کی ممانعت کا حکم براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حضرت رافع رضؓ جو منسوب کرتے تھے، اس کے راوی کوئی ایک دو آدمی نہیں ہیں بلکہ

الذین رووہ عموم الذھی عن رافع ابن عمر وعثمان وعمران وعیسٰی، ابنا سھل بن رافع وسلیمان بن یسار وابو النجاشی[۶۸]

زمین کو مطلقاً کرایہ پر بندوبست کرنے سے رسول اللہ نے منع فرمایا، اس حدیث کو رافع رضؓ سے ابن عمر، عثمان اور عیسٰی جو حضرت رافع رضؓ کے صاحبزادے سہل کے بیٹے ہیں، اور سلیمان اور ابو النجاشی سب ہی روایت کرتے ہیں۔"

ان میں ان کے گھر کے آدمی یعنی پوتوں کے سوا ابو النجاشی کے نام کو جو آپ دیکھ رہے ہیں، یہ وہ صاحب ہیں جو براہِ راست حضرت رافع رضؓ کے ساتھ رہے ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے ابو النجاشی کا قول نقل کیا ہے کہ:

"چھ سال تک رافع رضؓ کے ساتھ میں رہا۔"[۶۹]

خصوصاً ان کے پوتوں کا جب یہ بیان ہے کہ ان کے دادا حضرت رافع رضؓ نقدی بندوبست سے بھی منع کرتے تھے تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آخر عمر میں ان کی رائے یہی ہو گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً کرایہ سے جب ممانعت فرما دی ہے، تو نقد کی شکل میں بھی زمین کا کرایہ لینا زمین کے مالکوں یعنی زمینداروں کے لیے کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کچھ بھی ہو یہ بھی کرایہ ہی کی ایک شکل ہے، اور شاید نسیئتاً زیادہ اطمینانی شکل، بلکہ بقول شمس الائمہ سرخسی جیسا کہ انہوں نے اُسید بن ظہیر کے اس پیغام کا تذکرہ کرتے ہوئے جس کا ذکر کر چکا ہوں یعنی بنی حارثہ والوں کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس فرمان سے آگاہ کرتے ہوئے حضرت اسیدؓ نے کہا تھا:

"اے بنی حارثہ آج تم پر بہت مصیبت ٹوٹ پڑی۔"[۷۰]

شمس الائمہ نے لکھا ہے خلاصہ جس کا یہ ہے کہ:

"بندوبست کر کے زمین سے استفادہ کا کوئی طریقہ اگر زمین کے مالکوں یعنی زمینداروں کے لیے باقی رہتا تو ممانعت کا یہ حکم ان کے لیے مصیبت ہی کیوں ہوتا۔"

امام ابو حنیفہؒ کا فتویٰ

اسی کے بعد وہ لکھتے ہیں:

فھو دلیل لابی حنیفۃ رحمہ اللہ وظاھر قولہ علیہ السلام ازرعھا او امنحھا اخاک[۷۱]

یہ دلیل ہے امام ابو حنیفہؒ کے فتویٰ کی اور یہی بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے سمجھ میں آتا ہے (جو زمین کے مالکوں کو آپ نے دیا تھا) یعنی خود تم اپنی زمین میں کاشت کرو یا اپنے بھائی کو مفت معاوضہ لیے بغیر دے دو۔"

آخر میں اسی موقعہ پر اُن کے قلم سے یہ فقرہ نکل گیا ہے:

یدل علی سد باب المزارعۃ علیھم بالنھی مطلقاً[۷۲]

یہی بتا رہا ہے کہ زمین کے مالکوں یعنی زمینداروں پر مطلقاً مزارعت یعنی زمین بندوبست کرنے کے قصہ ہی کو ختم کر دینا مقصود تھا۔"

قطعی طور پر زمینداری کا الغاء اور ختم کرنا، یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء مبارک اور نصب العین تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مفاد اسی کو قرار دیتے ہوئے آگے انہوں نے یہ اطلاع دی ہے کہ:

به یستدل من یقول من المتعسفة انه لا یجوز استئجار الارض بالذهب والفضة لمقصود الزراعة [۵۳]

تشدد پسند علماء میں جن لوگوں کا فتویٰ ہے کہ سونے چاندی پر بھی زمین کو بندوبست کرنا جائز نہیں ہے، وہ اسی سے استدلال کرتے ہیں۔"

تشدد پسند علماء میں کون کون سے حضرات ہیں، اس کا ذکر تو آگے آرہا ہے لیکن اتنا تو بہرحال معلوم ہوا کہ:

"سد باب المزارعة مطلقا"

یعنی سرے سے زمینداری کے طریقہ کو اُٹھا دینا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تھا۔"

یہ کوئی نیا نظریہ نہیں ہے، بلکہ اسلامی علماء میں ایک طبقہ ہمیشہ اسی خیال پر اصرار کرتا رہا ہے اور اس باب میں سب سے زیادہ شہرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے، عام کتابوں میں بھی ان کا مذہب نقل کیا جاتا ہے کہ مزارعت (یعنی زمینداری) کے طریقہ کو وہ غیر مشروع فعل قرار دیتے تھے، اگرچہ بعد کو ان کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے کہ نقدی بندوبست کی اجازت دیتے تھے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ "اسلامی قانون" کی تدوین میں حصہ لینے والوں کی بڑی اکثریت نقدی بندوبست کو بھی ناجائز

قرار دینے پر اصرار کرتی رہی ہے۔

زمینداری کے خلاف آئمہ خلافت کا اجماع

ابن حزم نے محلّی میں نقل کیا ہے کہ شام کے امام اوزاعی کہا کرتے تھے:

کان عطاء ومکحول ومجاهد والحسن البصری یقولون لا تصلح الارض البیضاء بالدراهم ولا بالدنانیر [۵۴]

عطاء، مکحول، مجاہد، حسن بصری سب ہی کہتے تھے کہ زرعی زمینوں کا نہ روپے ہی سے بندوبست کرنا جائز ہے نہ اشرفیوں سے۔"

پھر دوسرے مختلف آئمہ کے اقوال کا ذکر کرکے آخر میں ابن حزمؒ نے دعویٰ کیا ہے:

فهؤلاء عطاء ومجاهد ومسروق والشعبی، وطاؤس [۵۵] والحسن، وابن سیرین، والقاسم بن محمد کلهم لا یری کراء الارض اصلا لا بدنانیر ولا بدراهم ولا بغیر ذلك [۵۶]

پس یہ ہیں عطاء، مجاہد، مسروق، شعبی، طاؤس، حسن بصری، ابن سیرین، قاسم بن محمد، یہ سب کے سب زمین کو کرایہ پر بندوبست کرنے کو جائز نہیں سمجھتے، نہ روپے پر اور نہ اشرفیوں پر، نہ ان کے سوا کسی اور چیز پر۔"

جاننے والے جانتے ہیں کہ الامصار یعنی سارے مرکزی شہروں جن میں اسلامی قانون کی تدوین وترتیب کا کام ابتدائے اسلام میں انجام دیا گیا، ان میں سے مشکل ہی سے کوئی ایسا شہر ہے جس کے مستند علماء اور آئمہ کا نام اس فہرست میں رہ گیا ہے۔

مکہ کے عطاء، مدینہ کے قاسم بن محمد، بصرہ کے خواجہ حسن اور ابن سیرین، کوفہ کے شعبی و مسروق، یمن کے طاؤس، دمشق کے مکحول سب ہی کا جب یہ اتفاقی فیصلہ تھا تو سمجھ میں نہیں آتا کہ "متعسفہ" (متشدد پسند) کے لفظ سے شمس الآئمہ نے کن لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ امام ابو حنیفہ کی طرف عام کتابوں میں مزارعت کے عدم مشروعیت یا غیر قانونی ہونے کے فتوی کو جو منسوب کیا گیا ہے۔ اس میں خواہ مخواہ ترمیم کی جائے۔ جب "اسلامی قانون" کی تدوین و ترتیب کے کام کرنے والے بزرگوں کا عام خیال یہی تھا کہ جیسے زمینداری کی تمام صورتیں ناجائز ہیں، اسی طرح نقدی بندوبست بھی جائز نہیں ہے۔

تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ خود شمس الآئمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ کا تذکرہ بھی کیا ہے خلاصہ جس کا یہ ہے کہ:

"چند آدمی اکٹھے ہوئے اور باہم ان میں طے ہوا کہ ان میں ایک طرف سے تو فدان[۷۷] (ہل بیل) دیا جائے گا، دوسرے صاحب تخم کا انتظام کریں گے، تیسرے صاحب جو تنے بونے سینچنے کا۔ الغرض کاشت میں جو کچھ کام کیا جاتا ہے، اس کو انجام نہ دیں گے اور جو حصے صاحب کی طرف سے زمین پیش کی گئی۔ طے یہ پایا کہ پیداوار کو چاروں آپس میں بانٹ لیں گے۔"

اسی شرط پر کھیتی کی گئی، کھیتی جب تک تیار ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ معاملہ پیش ہوا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے قصے کو سن کر جو فیصلہ کیا وہ یہ تھا کہ زمین کے مالک یعنی زمیندار صاحب کے سوا جتنے بھی تھے، ان میں ہل بیل

والے صاحب کو تو مروجہ کرایہ (اجر مثل) دلا دیا، اور کاشت کا کام جن صاحب نے کیا تھا، ان کو ایک درہم یومیہ کے حساب سے مزدوری دلوائی گئی اور جو کچھ پیدا ہوا تھا، آپ نے اس مستحق ان صاحب کو قرار دیا، جنہوں نے تخم دیا تھا۔ باقی رہے زمین کے مالک زمیندار صاحب شمس الآئمہ کی روایت کے الفاظ ہیں کہ:

الغی الارض[۷۸]

زمین (کے حق) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لغو قرار دیا۔

یعنی زمیندار کو کچھ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دلایا، خود ان الفاظ کی شرح شمس الآئمہ نے یہ کی ہے کہ:

یعنی لم یجعل لصاحب الارض من الخارج شیئاً[۷۹]

زمین کے مالک زمیندار کو پیداوار کا کچھ حصہ نہ دلایا گیا۔"

آگے اس کی بھی تصریح شمس الائمہ نے کی ہے کہ:

الحدیث صحیح کل قیاس بمقابلۃ متروک[۸۰]۔

حدیث بالکل صحیح ہے اور (ہر عقلی اعتراض کی) صحیح حدیث کے مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں ہے۔"

حقیقت تو یہ ہے کہ الغائے زمینداری اور جاگیرداری کے طریقہ کو ختم کرنے کے لیے انسانیت کے سب سے بڑے آخری بہی خواہ کی طرف سے اور کیا کیا جاتا، حالانکہ عرب عموماً ایک غیر زرعی ملک تھا، لیکن جوں ہی آپ کو موقع ملتا ہے پہلے خود کھیتوں کا معائنہ فرماتے ہیں، اور کھیتی کرنے والوں سے دریافت فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ان کے یہاں کن باتوں کا رواج ہے اور جب پہلی اطلاع زمینداری کے طریقہ کی آپ کو ہوتی ہے تو اسی وقت

ٹوکتے ہیں، اور معاملہ کو زمیندار و کاشتکار کے درمیان عملاً ختم کرا دیتے ہیں، پھر جیسا کہ عرض کر چکا ہوں۔ زمیندار خاندان کے لوگوں کو بلاتے ہیں اپنا منشائے مبارک سب کو سمجھاتے ہیں، گذر چکا ہے کہ مدینہ کے زمینداروں کے خاندان کے ممتاز افراد حضرت ظہیر اور ان کے بھائی مہیر یا مظہر نامی حضرت رافع بن خدیجؓ کے دونوں چچا۔ نیز ان کے چچازاد بھائی اسید بن ظہیر اور ان کے ماموں کو بلا کر اپنے اس پیغام کے ساتھ آئندہ زمینوں کو کرایہ پر بندوبست نہ کیا جائے۔ ان ہی زمینداروں کے خاندان بنی حارثہ میں پہنچے اور یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے اپنی برادری والوں کو آگاہ کرتے ہیں۔

زمین کا مالک صرف اللہ ہے اس سے بھی زیادہ یہ ہے کہ زمین کے متعلق جو آپ یہ فرماتے تھے کہ:

الارض ارض اللہ۔[۸۱]

زمین اللہ کی زمین ہے"

اس کے متعلق اپنے نقطۂ نظر کو عملاً یہ فیصلہ کر کے کہ زمین کے مالک (یعنی زمیندار) کو آپ نے کچھ نہ دلایا گویا یہ سمجھا دیا کہ جیسے ہوا روشنی، فضا، حرارت وغیرہ کو بھی نباتات کے اگانے میں دخل ہے، لیکن جیسے ہوا کو قدرت کی ہوا، آفتاب کی روشنی اور حرارت کو قدرت کی روشنی اور حرارت قرار دے کر کوئی اس کی جرأت نہیں کر سکتا کہ کسی خاص علاقہ کی ہوا یا روشنی و حرارت سے فائدہ اٹھانے والوں سے کسی شکل میں کرایہ وصول کرے، بجنسہٖ یہی حال مٹی کے تودے کا ہے، جس کو ہم زمین کہتے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہوا نور و ہدایت وغیرہ قدرتی چیزوں کے متعلق

کرایہ وصول کرنے کا رواج چونکہ دنیا میں نہیں ہوا، اس لیے اُن کے متعلق تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے لیکن خدا ہی جانتا ہے کہ تاریخ کے کس عہد سے مٹی کے اس تودے اور خاک دھول کے اس مجموعہ کے خاص رقبہ کو اپنی طرف منسوب کر کے اس رقبہ میں کاشت کرنے والوں سے کرایہ کے وصول کرنے کا رواج چلا آرہا تھا۔ بلکہ رفتہ رفتہ یہ رواج اتنا قوی اور مستحکم ہو گیا کہ سب کچھ اسی کا سمجھا جانے لگا۔ جس نے اپنی طرف زمین کے اس خاص رقبہ کو منسوب کر لیا تھا، یا کسی وجہ سے منسوب کرنے کا اس کو موقع مل گیا تھا اور اس پر کاشت کرنے والے غریبوں پر گویا سمجھا جاتا تھا کہ زمین کا مالک احسان کر رہا ہے، جو جوتنے بونے کی اجازت اپنی زمین میں خاص شرطوں کے ساتھ دے دی، اسی لیے من مانے مطالبات زمین کے مالک وصول کرتے تھے، اور بلا چون و چرا غریب کاشتکار ان کے مطالبات کو پورا کرتا رہتا تھا۔

رسول اللہ نے تاریخ عالم میں سب سے پہلے زمینداری کا استیصال فرمایا

ہمیں نہیں جانتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر زمین کے متعلق اس نظریہ کو کسی نے پیش کیا ہو جیسا کہ ہوا روشنی وغیرہ قدرتی چیزیں ہیں۔ زمین بھی ایک عام قدرتی عطیہ ہے، جس پر کام کیے بغیر استفادہ کا کوئی حق ان کو نہیں پہنچتا، جن کی طرف منسوب ہو کر زمین کے کسی رقبہ کو ان کی ملک قرار دے دیا گیا ہو۔

زمینداری کے متعلق غلط فہمی کا سبب

پس کچھ تو رواج کی عمومیت اور نامعلوم زمانہ سے قلوب میں اس رواج کی استواری و استحکام اور کچھ اس لیے بھی کہ عرب خصوصاً حجاز ایک غیر زرعی علاقہ تھا، آپ پڑھ چکے ہیں کہ مدینہ میں لوگ، نخلستانوں اور کھیتوں میں جو کام بھی کرتے تھے، تو براہِ راست خود کرتے تھے، زمین کے مالک بن کر دوسروں سے آمدنی وصول کرنے کا طریقہ جہاں تک معلوم ہو سکا ہے، صرف ایک خاندان بنی حارثہ ہی کی حد تک محدود تھا۔ اور آگاہ کرنے کی جتنی ممکنہ صورتیں تھیں، بنی حارثہ کے ان زمیندار گھرانوں کو ان ذرائع سے مطلع کرنے میں کوشش کا کوئی دقیقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھا نہ رکھا، لیکن ظاہر ہے کہ اس کاروبار سے جن لوگوں کا تعلق نہ تھا۔ ان کو اس سے دلچسپی لینے کی وجہ ہی کیا ہو سکتی ہے ہر ایک اپنے کام میں مشغول تھا، یہ اور اسی قسم کے دوسرے اسباب کا شائد نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں پر جب فتوحات کا دروازہ وسیع ہوا، عرب سے باہر کے ممالک میں باطمینان زمینداری کے طریقہ سے آمدنی لوگ حاصل کر رہے تھے، اور طرفہ تماشا اسی کے ساتھ یہ بھی پیش آیا کہ مدینہ منورہ کے زمینداروں کے خاندان بنی حارثہ کے جن بزرگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے براہِ راست مسئلہ سمجھایا تھا، اور انہی کی زبانی اپنا فرمان بنی حارثہ کے دوسرے افراد تک پہنچایا تھا، یعنی حضرت رافع بن خدیجؓ کے چچا ظہیر و مہیر اُن کے ماموں اور شاید حضرت اسیدؓ بن ظہیر بھی، ان سارے بزرگوں کی وفات ہو چکی تھی، ان سب کی جانشینی حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے ذمہ ہوئی۔

اصابہ میں لکھا ہے کہ:

کان عریف قومہ بالمدینۃ۔[۸۲]

اپنی قوم (بنی حارثہ) کے وہی نمایندہ تھے مدینہ میں"

یہی صورتِ حال تھی جب مسلمانوں کو جہاں کہیں موقع مل رہا تھا، دوسروں کی دیکھا دیکھی زمینداری کا معاملہ بھی کرنے سے اچانک ذکر کرنے والے اس فرمان نبوی کا چرچا کرنے لگے، جو بنی حارثہ کے زمینداروں میں مختلف ذرائع سے پہنچا تھا۔ کیونکہ عملاً آمدنی حاصل کرنے کا طریقہ یہ گو بنی حارثہ ہی والوں میں مروّج تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے صحابیوں تک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہنچ چکی تھی۔ حافظ ابن حزم نے لکھا ہے کہ:

قد روی النھی عن الکراء جملۃ للارض جابر و ابوھریرۃ و ابوسعید و ابن عمر[۸۳]

زمین کو مطلقاً کرایہ پر بندوبست کرنے کی ممانعت والی حدیث (رسول اللہ کے صحابیوں) حضرت جابر و ابوہریرہ و ابوسعید خدری اور ابن عمر سے بھی مروی ہے"

صحیح طور پر یہ کہنا تو دشوار ہے کہ ان صحابیوں نے براہِ راست اس حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا، یا مدینہ کے زمینداروں کے اسی خاندان بنی حارثہ کے بزرگوں سے یہ خبر ان تک پہنچی تھی، کم از کم ابن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق تو یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ براہِ راست ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کا موقع نہ ملا تھا، صحاح ستہ میں ان کے متعلق یہ روایت پائی جاتی ہے کہ عدم واقفیت کی وجہ سے وہ کرایہ پر کچھ دن تک اپنی زمین بندوبست کیا کرتے تھے۔ تا ایں کہ ان کو یہ اطلاع ملی

کہ بنی حارثہ کے زمینداروں کو اس کاروبار سے رسول اللہ نے روک دیا تھا، سننے کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بنی حارثہ والوں میں پہنچے، حضرت رافع بن خدیجؓ سے ان کی ملاقات ہوئی، قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک اس خاندان کے ان بوڑھے زمینداروں کی وفات ہو چکی تھی، جن کو براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منشاء سے آگاہ کیا تھا صرف یہی رافع بن خدیج ہی رہ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے چچا وغیرہ کے حوالہ سے ابن عمرؓ کو مطلع کیا کہ جو بات آپ تک پہنچی ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرایہ پر بندوبست کرنے سے منع فرمادیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اپنے بزرگوں سے میں نے یہی سُنا ہے۔

اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ عام طور پر اس حکم کی اشاعت صحابہ کرام میں نہ ہوسکی، حتیٰ کہ ابنِ عمرؓ جیسے آدمی بھی ناواقف تھے۔ اور جیسے ابن عمرؓ کو خبر ہوئی رفتہ رفتہ دوسروں تک بھی یہ بات پہنچی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی بنیاد جس حقیقت پر قائم تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تہ تک بہت سے حضرات پہنچ نہ سکے، خیال ان کو یہی ہوا کہ دھوکہ اور فریب جھگڑے رگڑے کا خطرہ بندوبست کرنے کی جن صورتوں میں پیدا ہوسکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ان ہی کی حد تک محدود ہوگا۔

کنز العمال میں مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے سالم کی طرف ایک روایت منسوب کی گئی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ بیچارے حضرت رافع بن خدیجؓ ہی پر وہ تشدد کا الزام لگاتے تھے، کہا کرتے تھے:

اکثر رافع بن خدیج علی نفسہ[۸۴]

اپنے اُوپر رافع نے زیادتی سے کام لیا تھا"

اور اس عام خیال کو کہ ہر چیز کا مالک جب اپنی مملوکہ چیز سے مستفید ہو سکتا ہے۔ مکان کو کرایہ پر چلا کر کرایہ لے سکتا ہے، یا اونٹ، بیل گاڑی سب ہی کا لوگ کرایہ لیتے ہیں تو زمین کا مالک بھی اپنی مملوکہ زمین کو بندوبست کر کے کرایہ کی آمدنی کیوں نہیں لے سکتا، حضرت سالمؓ کبھی کبھی قسم کھا کر کہا کرتے تھے:

واللہ لنکریہا کراء الابل[۸۵]

خدا کی قسم جیسے اونٹ کو کرایہ پر چلایا جاتا ہے، میں اپنی زمین کو کرایہ پر دوں گا"

اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ کہیئے یا عبرت انگیز طبقہ تبیری صدی کے عالم امام ابو جعفر طحاوی مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی نظریات کی وکالت میں جاننے والے جانتے ہیں کہ شاید وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔

لیکن اس کے سوا اور کیا سمجھا جائے کہ ساحل نیل کے زرعی خطہ کے جس خاص ماحول میں وہ گھرے ہوئے تھے، اور کوئی وجہ نہ تھی کہ دوسرے زرعی ممالک کی طرح زمینوں کو ان کے مالک، بندوبست بطریقہ زمینداری و جاگیرداری کر کے مصر میں آمدنی نہ حاصل کرتے ہوں گے۔

بظاہر اسی کا نتیجہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام طحاویؒ کے سامنے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فیصلہ آیا جس میں کام کرنے والوں کو اُنکے کام کے مطابق معاوضہ دلایا گیا، اور زمین کے مالک یعنی زمیندار کے حق کو لغو اور بے بنیاد ٹھہراتے ہوئے جو کچھ پیدا ہوتا تھا، اس کا مستحق تخم

دینے والے کو قرار دیا گیا، تو سنداً اس پر اعتراض کی گنجائش جب امام طحاویؒ کو نظر نہ آئی، تب اس عجیب و غریب دعویٰ کو پیش کرتے ہوئے کہ کھیت کی مٹی میں ملا دینے کے بعد تخم کا وجود تو غائب اور مضمحل ہو کر رہ جاتا ہے پھر جو چیز نابود ہو کر کھپ گئی، یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کو بنیاد بنا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ تخم والے ہی کو دلا دیا ہو، اور زمین جو ہر حال میں قائم و دائم رہتی ہے، اسی کے مالک کو کچھ نہ دلایا جائے۔ مبسوط میں شمس الآئمہ سرخسیؒ نے طحاوی کے اس نظریہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

قال البذر یصیر مستھلکا لان النبات یحصل بقوۃ الارض[۸۶]

یعنی تخم تو مٹی میں مل کر ملیا میٹ ہو جاتا ہے، اور جو کچھ اُگتا ہے۔ زمین ہی کی قوت نشوونما سے اُگتا ہے۔"

اور اسی کو واقعہ قرار دیتے ہوئے طحاوی نے اپنی تائید میں یہ مثال بھی پیش کی ہے کہ جانوروں، اور مویشیوں میں بچوں کی جو حقیقت ماں کے ساتھ ہوتی ہے، یعنی بچے ماں کے پیٹ سے جیسے پیدا ہوتے ہیں، اور جو ماں کا مالک ہوتا ہے وہی بچوں کا بھی ہوتا ہے، اسی طرح زمین کو بھی سمجھنا چاہیئے کہ زرعی پیداواروں کی گویا وہ ماں ہے۔ اس لیے عقل کا اقتضاء یہی ہے کہ جو زمین کا مالک ہے، وہی اس کی پیداواروں کا بھی مالک ہو، انہوں نے پوچھا ہے کہ مویشیوں میں جب یہ نہیں دیکھا جاتا کہ بچے کس نر کے نطفہ یا تخم سے پیدا ہوئے ہیں، اسی لیے نر جس کے تخم اور نطفہ سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے مالک کو کچھ نہیں ملتا، بلکہ سب کچھ اسی کا ہوتا ہے، جو بچوں کی ماں کا مالک ہوتا ہے، پھر اس کے بالکل برعکس بھلا یہ بات

سمجھ میں آتی ہے کہ جس کو سب کچھ ملنا چاہیئے تھا، یعنی زمین کا مالک اس کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں دلایا، اور جسے کچھ نہ ملنا چاہیئے تھا، یعنی تخم کا مالک، اسی کو سب کچھ دلا دیا گیا۔

آپ دیکھ رہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فیصلہ صحیح سند کے ساتھ پیش ہو رہا ہے، لیکن ماحول اور رسم و رواج کے دباؤ کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے صاحبِ بصیرت غیر معمولی فہم و ذکاء رکھنے والے عالم کی نظر اس "بنیاد" تک نہ پہنچ سکی، جس پر دنیا کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ مبنی تھا۔

حیرت تو اس پر ہوئی ہے کہ شمس الآئمہ سرخسی نے اگر طحاوی کی تنقید کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ:

ولکن ھذا وھم منہ[۸۷]

"یہ ابو جعفر طحاوی کا وہم ہے۔"

اسی کے بعد اس کی بھی تصریح کی ہے کہ مستند راویوں اور صحیح سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورۂ بالا فیصلہ جب مروی ہے، تو قیاس یعنی عقلی احتمال آفرینیوں کا اس کے مقابلہ میں وزن ہی کیا رہ جاتا ہے، پھر طحاوی کی اس قیاسی رائے کی تنقید کرتے ہوئے شمس الآئمہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ کھیت کی مٹی میں مل کر تخم ملیا میٹ ہو کر "کلیۃً" نابود اور معدوم ہو جاتا ہے، یہ دعویٰ بھی طحاوی کا عجیب ہے، اگر یہی واقعہ ہوتا تو مختلف تخموں سے مختلف پیداواریں کیسے حاصل ہو سکتی تھیں، بلکہ جو کچھ بویا جاتا ہے وہی کاٹا جاتا ہے یہی دن رات کا مشاہدہ اور تجربہ ہے اور صرف یہی نہیں شمس الآئمہ نے آگے بڑھ کر زمین اور جانوروں کی پیداواریں جو فرق ہے، اس کو بھی واضح کیا ہے حاصل جس کا یہی ہے کہ مویشی میں تو بچوں کی ماں کا مالک مثلاً بکری کا مالک

بکری کی پرورش کرتا ہے، اس کو کھلاتا ہے، پلاتا ہے اور بکری اپنے بچّوں کو دودھ پلاتی ہے ان کو پالتی ہے اس لیے بکری کا مالک ہی بکری کے بچّوں کا مالک قرار دیا جاتا ہے، لیکن نطفہ یا تخم جس سے بچّے پیدا ہوتے ہیں، اس کے سانحۂ نر کے مالک کے جذبات کا ظاہر ہے کہ کوئی تعلّق نہیں ہوتا۔[۵۸]

شمس الآئمہ قریب قریب اس مسئلہ میں حقیقت تک گویا سمجھنا چاہیئے پہنچ چکے تھے، بآسانی اس کے بعد ان کے سامنے یہ بات آسکتی ہے کہ:

"زمین کا مالک زمینداری کے طور پر اپنی زمین کو جب بندوبست کرتا ہے تو جو کچھ پیداوار ہوتی ہے اس میں زمیندار کے عمل اور اس کی کدوکاوش کو کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لیکن باوجود اس کے جو آمدنی وہ حاصل کرتا ہے، اس میں اور اس طریقۂ کار میں کیا فرق ہے کہ کسی خاص علاقہ کی ہوا، یا روشنی اور حرارت، یا ازیں قبیل دوسری قدرتی چیزوں کو اپنی طرف منسوب کر کے آمدنی حاصل کی جائے۔"

مگر اب اسے کیا کہیئے کہ یہ سب کچھ فرمانے کے بعد بھی زمین کے مالک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں دلایا۔

اس فیصلہ کے ماننے کی گنجائش شمس الآئمہ بھی اپنے اندر پیدا نہ کر سکے۔ اور یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ:

ان المراد من الالغاء انه لم يجعل لصاحب الارض شيئاً من الخارج۔[۵۹]

(حق زمینداری) کو لغو قرار دینے کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ پیداوار سے کچھ حصّہ زمیندار کو رسول اللہ نے نہیں دلایا۔"

اور خود اپنی طرف سے انہوں نے فرض کر لیا کہ جیسے رواج کے مطابق خدان (ہل بیل) والے کو معاوضہ دلایا گیا، یعنی اجر مثل دلایا گیا تھا، اسی طرح اس زمانہ کے دستور کے مطابق زمین کے مالک یعنی زمیندار کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اجر مثل کی صورت میں معاوضہ دلایا ہوگا۔

مگر اس مفروضہ کی دلیل کیا ہے کیا بیان کرنے والوں نے صراحتہً یا کنایتہً اس کی طرف اشارہ کیا ہے؟ نہ اس کا کوئی جواب انہوں نے دیا ہے، اور نہ دے سکتے تھے، کیونکہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ زمیندار کو پیداوار سے نہ سہی باہر سے کسی قسم کا معاوضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دلایا تھا لے دے کہ بس یہی خیال سب کو پریشان کیے ہوئے ہے کہ زمیندار بے چارہ بھی تو آخر زمین کا مالک تھا، مزدور کو مزدوری ملی، ہل بیل والے کو تو ساری پیداوار ہی دلا دی، لیکن سب سے بڑے حصّہ دار مالک زمین اور زمیندار اسی کو کچھ نہ دلایا گیا ہو، یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی، اور سچی بات یہ ہے کہ دنیا میں موروثی رواجوں اور عادتوں کی زنجیروں میں تاریخ کے نامعلوم زمانہ سے جکڑی چلی آتی تھی، ان زنجیروں کا ٹوٹنا اور ان سے آزاد ہو کر سوچنے کا موقعہ آج بھی جب آسان نہیں ہے تو ذرا سوچیئے جب ساری دنیا جاگیرداروں اور زمینداروں ہی کی دنیا تھی، دنیا کی ساری حکومتیں ان کی پشت پناہ تھیں۔ خصوصاً تاریخ کا وہ عہد جس میں مشرق ایرانی شہنشاہیت کے آثار کی بیڑیوں میں، اور مغرب رومن امپائر کے پنجوں میں گرفتار تھی، جاگیرداروں اور زمینداروں پر شہنشاہیتوں کی دیواریں قائم تھیں، اسی لیے اس دیوار کی ہر اینٹ چھوٹی ہو یا بڑی، ان ہی جبّار حکومتوں کی سرپرستی میں خود بھی محفوظ اور ان کے مفروضہ حقوق بھی محفوظ تھے۔

اتنے قطعاً مخالف اور حد سے زیادہ ناموزوں زمانہ میں سچ پوچھیئے تو جو کچھ بھی ہوگیا اور جس حد تک اپنے آخری پیغمبرؐ کے منشائے مبارک جس پہلو کی تعمیل کی بھی سعادت دنیا کو میسر آئی، میں تو اُسی کو غنیمت اور بسا غنیمت سمجھتا ہوں۔

ممانعت زمینداری کے خوشگوار اثرات

مدینہ منوّرہ میں بنی حارثہ کے زمینداروں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرامین اور احکام جو پہنچے، اور بعد کو مختلف الفاظ اور تعبیروں میں ان ہی کی اشاعت مسلمانوں میں ہوئی۔ ان سے اور کچھ نہیں تو یہی فائدہ کیا کم تھا کہ ظالمانہ چیرہ دستیوں کی سند جواز جو انسانی رسم و رواج کے زیر اثر زمینداروں کو دنیا میں حاصل تھی۔ کم از کم ان کا تو اسلامی عہد میں قطعاً انسداد ہوگیا، ہوا، روشنی، فضا وغیرہ جیسے قدرتی مظاہرہ میں خاک کا تو وہ بھی شریک ہے، اور وہی نوعیّت مٹی کے اس ڈھیر کی بھی ہے، جو کائنات کے دوسرے قدرتی انتظار کی ہے، الغرض

"الارض ارض اللہ۔"

کا صحیح مطلب کیا ہے، اُس کی یافت جیسی کہ چاہیئے لوگوں کو ہوئی یا نہ ہوئی لیکن اتنی بات بہرحال تسلیم کرلی گئی کہ دوسرے معاملات میں جیسے کہ دھوکہ فریب، ظلم و زیادتی اور ان خطرات کا اسلام نے انسداد کردیا ہے، جن سے رگڑے جھگڑے پیدا ہوں، اسی طرح زراعت اور کھیتی باڑی کے سلسلے میں بھی معاملہ کی ان تمام صورتوں کو اسلام نے ناجائز ٹھہرا دیا ہے، جن میں ان ہی امور کا اندیشہ ہو، گویا سمجھا گیا کہ جو حال دوسرے معاملات اور

کاروبار کے دوسرے طریقوں کا ہے وہی حال مزارعت کا بھی ہے، کوئی خاص مزیت یا امتیاز دوسرے عام معاملات میں اس کو حاصل نہیں ہے۔

امام لیث بن سعد کا نظریہ

دوسری صدی کے مشہور مصری امام لیث بن سعد کا قول مزارعت کے باب میں امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، لیث بن سعد کہتے تھے کہ:

الذی نهی عن ذلك ما لو نظر فیه ذوو الفهم بالحلال و الحرام لم یجیزوه لما فیه من المخاطرة۔[۹۰]

مزارعت کے سلسلہ میں جو ممانعت آئی ہے، یہ ایسی بات ہے کہ حلال اور حرام کے سمجھنے والوں میں جو بھی غور کرے گا، اس کی اجازت نہیں دے سکتا کہ اس میں بربادی کا خطرہ ہے۔"

"مخاطرہ" کے لفظ کا حاصل معنی جو میں نے درج کیا ہے، یہی شرط اس کی حافظ ابن حجرؒ نے کی ہے، آگے وہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

هذا موافق لما علیه الجمهور من حمل النهی عن کراء الارض علی الوجه المفضی الی الغرر و الجهالة۔[۹۱]

یعنی لیث کے اس قول کا وہی مطلب ہے جو عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ زمین کو کرایہ پر بندوبست کی ممانعت کا مطلب ہے کہ دھوکہ اور فریب جہالت کی صورتیں کرایہ کے جن طریقوں میں پیش آسکتی ہیں، ان ہی سے منع کیا گیا ہے۔"

صرف دو صورتوں کا دروازہ کھلا رہ گیا!

سچ پوچھیے تو اسی کو بنیاد قرار دے کر مزارعت کے تمام مروّجہ ظالمانہ طریقوں کو ناجائز اور حرام ٹھہراتے ہوئے صرف دو صورتیں یعنی نقدی بندوبست بالفاظ دیگر مقررہ رقم فی ایکڑ طے کر کے زمین کا مالک زمیندار کسانوں کو بندوبست کرے، ایک تو یہ، اور دوسری شکل یہ کہ غلّہ کی مقررہ مقدار نہ طے کی جائے بلکہ جو کچھ بھی پیدا ہو اس کا آدھا یا تہائی یا چوتھائی حصّہ زمیندار لے گا، مزارعت کے معاملہ میں زیادہ سے زیادہ مسلمانوں میں انہی دو صورتوں کا دروازہ کھلا رہ گیا اور یوں زمینداری کا قصّہ نہ ختم ہو سکا، اگرچہ اسلامی قوانین کی تدوین جن بزرگوں نے انجام دی ہے ان کی ہم مرکزی ہستیوں کے نزدیک جیسا کہ ابن حزم کے حوالہ سے نقل کر چکا ہوں، ان دونوں صورتوں کے جواز کی بھی گنجائش اسلام میں نہ تھی، ائمہ مجتہدین میں سب سے زیادہ اس مسئلہ پر امام اعظم ابو حنیفہؒ کا اصرار مشہور ہے، لیکن کتابوں میں لکھا ہے کہ باوجود اس اصرار کے ان کی پیش قیاسی یہ بھی تھی کہ:

ان الناس لا یاخذون بقولہ[۹۲]

لوگ میرے قول کو عملاً اختیار نہ کریں گے۔"

خود ان کی یہ پیش قیاسی ان کی عقلی بصیرت کی دلیل ہے وہ دیکھ رہے تھے کہ رسم و رواج کی زنجیروں میں کسی کسائی ہوئی دنیا

الارض ارض اللہ۔

زمین، خدا کی زمین ہے۔"

اس کا جو صحیح مطلب ہے، ابھی اس کے سمجھنے کے لیے تیار نہیں

ہے، عموماً قاعدہ ہے کہ ارادہ اور خواہش کے بعد کرنے والے جو کچھ کرنا چاہتے ہیں اس کی تصحیح و جواز کے لیے کوئی نہ کوئی وجہ ان کو مل ہی جاتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اسی قسم کا واقعہ اس مسئلہ میں بھی پیش آیا۔

پہلی شکل یعنی نقدی بندوبست کے جواز میں کچھ تو حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے بیان سے لوگ مستفید ہوئے، عرض کر چکا ہوں کہ بنی حارثہ کے جن زمینداروں نے براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زمین کے بندوبست کرنے کی ممانعت کا حکم سُنا تھا، ان کا تو انتقال ہو چکا تھا، رافع ہی اس خاندان کے آخری نمایندے تھے، جو اپنے بزرگوں چچا اور ماموں وغیرہ سے سنی ہوئی روایتوں کا دوسروں سے ذکر فرماتے تھے عرض کر چکا ہوں کہ ان سے نقدی بندوبست کے متعلق جب پوچھا گیا تو یہ کہتے ہوئے کہ اس زمانہ میں بندوبست کے اس طریقہ کو لوگ نہیں جانتے تھے پھر اپنی رائے کبھی یہ دیتے تھے کہ اس میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں، مگر ان ہی سے لوگ یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ لوگوں کو اس سے منع کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مطلقاً زمینوں کو کرایہ پر بندوبست کرنے سے منع کر دیا ہے تو چاہیئے کہ نقدی بندوبست کے طریقہ کو بھی چھوڑ دیا جائے، ظاہر ہے کہ کرنے والے جس کام کو کرنا چاہتے ہیں، ان کے لیے اتنا سہارا بھی کافی ہو گیا، اسی کے ساتھ مسلمانوں میں ایک روایت دوسرے صحابی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہو کر پھیلی، کہتے ہیں کہ حضرت سعد فرماتے تھے:

ارخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی کراء الارض۔
بالذھب والورق[۹۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے کہ سونے
اور چاندی (یعنی نقد) کرایہ میں زمین کا بندوبست کی جائے۔"

ان ہی کی طرف دوسرے الفاظ میں یہ منسوب کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھیتی کے کاروبار کرنے والوں کا جھگڑا ایک دفعہ پیش ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرایہ پر بندوبست کرنے سے ممانعت کرتے ہوئے فرمایا:

اکروا بالذھب والفضۃ۔[۹۴]

سونے اور چاندی (یعنی نقد پر) زمین کو بندوبست کیا کرو۔"

نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی یہ دونوں روائتیں کس زمانہ میں مشہور ہوئیں، لیکن حافظ ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ اس وقت یہ دونوں روائتیں جس سند کے ساتھ کتابوں میں پائی جاتی ہیں، دونوں ہی کی سند میں سخت قابلِ اعتراض اور غیر معتبر راویوں کے نام ملتے ہیں، لکھا ہے کہ ایک روایت کی سند میں تو عبدالملک بن حبیب الاُندلسی کا نام ہے۔

وھو ھالک[۹۵]

اور یہ شخص (روایت کے لحاظ سے) مُردہ ہے۔

خصوصاً اس شخص کی ایسی حدیثیں جنہیں اپنے ہم نام عبدالملک بن الماجشون سے روایت کرتا ہے بلکہ ابن حزم نے اندلسی کے سوا خود ابن الماجشون کو بھی ضعیف قرار دیا ہے۔

اسی طرح دوسری سند میں ابن حزمؒ کا بیان ہے کہ محمد بن عبدالرحمن بن لبیبہ کا نام ہے:

وھو مجھول لا یدری۔[۹۶]

غیر معروف آدمی ہے، کچھ نہیں معلوم کہ کون ہے، حالات اس کے
کیا ہیں۔"

بہرحال نقدی بندوبست کے لیے تو خیر ایک دو روائتیں خواہ اُن کی نوعیت کچھ ہی ہو مل بھی جاتی ہیں۔ تعجب تو اس پر ہوتا ہے کہ بٹائی یعنی نصف یا تہائی چوتھائی پیداوار پر بندوبست کرنے کے طریقہ کے جواز میں لوگوں کو جب کچھ نہ ملا تو اب اسے کیا کہیئے کہ جس پر کسی حیثیت سے قیاس درست نہ تھا یعنی حکومت کی طرف سے کاشتکاروں کو زمین بندوبست کر کے خراج اور ٹیکس جو لگایا جاتا تھا، یعنی ریونیو وصول کیا جاتا تھا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے نخلستانوں، اور زرعی زمینوں کو یہودی کاشتکاروں اور باغبانوں کے ساتھ بندوبست کر کے خراج مقاسمہ لگا دیا تھا، یعنی بجائے نقدی کے پیداوار کا ایک حصہ خراج میں لیا جائے گا، حضرت معاذ بن جبل یمن کے والی بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس علاقہ میں آئے، اور وہاں کی زمینوں کو حکومت کی طرف سے کاشتکاروں کے ساتھ جو بندوبست کیا تھا، یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خراج مقاسمہ پر حکومت کی طرف سے زمینیں جو بندوبست ہوئی تھیں، بندوبست کا یہی طریقہ حکومت کی طرف سے عہدِ نبوّت اور عہدِ خلافت میں جو اختیار کیا گیا، اسی کو نظیر بنا کر سمجھ لیا گیا، کہ زمین کے مالک زمیندار بھی اپنی زمینوں کو پیداوار ہی کے نصف یا چوتھائی پر کیوں بندوبست نہیں کر سکتے۔

حکومت جو زمین کے آباد کاروں سے ان ہی کے امن و امان، آرام و آسائش، فلاح و بہبود اور یہ کہ ان کے امیروں سے لے کر غریبوں میں تقسیم کرنے کے لیے خراج یا مالگذاری وصول کرتی ہے، اس پر زمینداروں کی

اس کی آمدنی کو قیاس کرنا جو کاشتکاروں کے لیے نہیں بلکہ اپنے عیش و آرام اور طمطراق تزک و احتشام میں خرچ کرنے کے لیے لیتے ہیں۔ یہ سمجھنا کہ دونوں کی ایک ہی تھی، بھلا اس کا کیا جواب دیا جائے، مبسوط میں شمس الآئمہ سرخسی نے یہ لکھ کر کہ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا تھا، حکومت کے امام ہونے کی حیثیت سے کیا تھا۔ اور

للامام ای فی الارض الممنون بها علی اهلها ان شاء جعل علیها خراج الوظیفة وان شاء جعل علیها خراج المقاسمة [۹۷]

جو زمینیں زمینوں پر کام کرنے والوں کے حوالہ کر دی گئی ہوں۔ یہ امام (حکومت) کی صوابدید پر ہے کہ چاہے ان زمینوں پر خراج وظیفہ (نقدی ٹیکس) لگائے چاہے خراج مقاسمہ (پیداوار کا کچھ حصّہ وصول کرے)۔"

درمیان میں دوسرے مسائل کا تذکرہ کر کے آخر میں لکھا ہے کہ بیت المال (حکومت خزانہ) کی آمدنی جو امام یعنی حکومت کا نمایندہ کاشتکاروں سے وصول کرتا ہے، اس پر مسلمانوں کے اہم معاملات کو قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا۔ یعنی مسلمان کاشتکار کو زمین کا مالک، اپنی زمین بندوبست کر کے اسی طرح پیداوار کا کچھ حصّہ وصول کرے، جیسے خیبر کے کاشتکاروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصول کرتے تھے، صحیح نہ ہوگا، ان کے الفاظ ہیں:

لا یجوز مثله فیما بین المسلمین فیضعف من هذه الوجه استدلالهم بمعاملة رسول الله صلی الله علیه وسلم معهم [۹۸]

نہیں جائز ہوگا یہ معاملہ خود یا ہم مسلمانوں کے درمیان، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاملہ اُن کے ساتھ یعنی یہودی کاشتکاروں

کے ساتھ کیا، اس سے استدلال کرنا ان لوگوں کا صحیح نہ ہوگا۔ (جو زمینداروں کے لیے بھی اس معاملہ کو جائز سمجھتے ہیں)۔"

مخابرت کا صحیح مفہوم

طرفہ تماشا اس سلسلہ کا یہ ہے کہ خیبر میں جو معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کاشتکاروں سے کیا تھا، اسی کو نظیر بنا کر زمینداری کے بٹائی والے اس خاص طریقہ کو جائز قرار دینا چاہتے تھے۔ ان کے لیے ایک بڑی دشواری یہ پیش آئی کہ مختلف ذریعوں سے یہ حدیث بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو کر پھیلی ہوئی تھی کہ مخابرت کا مطلب کیا ہے؟ بہت سے لوگوں کا خیال تھا جیسا کہ شمس الآئمہ سرخسی نے بھی مبسوط میں نقل کیا ہے کہ:

هذا الاشتقاق من معاملة رسول الله صلی الله علیه وسلم مع اهل خیبر فسمیت مخابرة بالاضافة اینهم [۹۹]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا، اسی معاملہ کو مخابرہ خیبر کی نسبت سے کہتے ہیں۔"

مخابرہ کی اس شرح کی بنیاد پر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جس چیز سے خود منع کیا ہو، اسی پر آپ خود کیسے عمل کر سکتے تھے اسی وجہ سے بعض لوگوں نے مخابرہ کے اشتقاق کی مذکورہ بالا توجیہ کا انکار کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ عربی زبان میں کاشتکار کو خیبر بھی کہتے تھے۔ اور بعضوں نے کہا کہ:

الخبیرة النصیب وقیل من الخبار الارض اللینة۔

الجبرہ حصّہ کو کہتے ہیں بعض اس کو خبار سے مشتق بتاتے ہیں جس کے معنی نرم زمین کے ہیں "

واللہ اعلم بالصواب واقعی عربی زبان کے یہ محاورے بھی تھے یا نہیں یا اس کی حیثیت نکتہ بعد الوقوع کی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے عربی لغت کے مشہور اور مستند امام ابن الاعرابی کے حوالہ سے اسی مخابرہ کے لفظ کی لغوی تحقیق کے سلسلے میں جو یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

ان اصل المخابرة معاملة اهل خيبر فاستعمل ذلك حتى صار اذا قيل خابرهم عرف انه عاملهم نظير معاملة اهل خيبر [۱۰۰]

اہلِ خیبر کے معاملہ کو مخابرہ کہتے تھے اور یہ لفظ عام طور پر استعمال ہونے لگا اور مخابرہ کیلا کا مطلب یہ ہونے لگا کہ اہلِ خیبر کے جیسا معاملہ اس نے کیا"

اس تو غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ خود ساختہ تعارض کے وسوسہ کو مٹانے کے لیے بطور نکتہ بعد الوقوع کے مخابرہ کا ماخذ خیبر یا خبرہ یا خبار وغیرہ الفاظ کو قرار دیا گیا ہے، ورنہ اصل حقیقت وہی ہے کہ یہ لفظ خیبر ہی کی طرف منسوب ہو کر بنا، البتہ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاملہ خیبر میں کیا تھا، اس معاملہ کا نام مخابرہ پڑا، اور صحیح کیسے ہو سکتا ہے۔ بقول ابنِ حزمؒ:

ان خيبر كان هذا اسمها قبل مولد النبي رسول الله صلى الله عليه وسلم وان المخابرة كانت تسمى بهذا الاسم كذلك [۱۰۱]

خیبر کا نام خیبر ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش

سے پہلے تھا، اور اسی خیبر کی طرف منسوب ہو کر "مخابرہ" کا نام مشہور ہوا"

اسی بنیاد پر جیسا کہ اُن کا قاعدہ ہے غیر معمولی برہمی کے ساتھ ان لوگوں کو چھڑکا اور ڈانٹا ہے جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاملہ یہ خیبر والوں کے ساتھ کیا اسی کا نام مخابرہ تھا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ:

ان النهي عن المخابرة وعن اعطاء الارض بما يخرج منها كان قبل امر خيبر بلا شك [۱۰۲]

مخابرہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت، اور زمین کو اس کی پیداوار کے کسی حصّہ پر بندوبست کرنا اس معاملہ کا نام مخابرہ ہے، یہ دونوں باتیں فتح خیبر کے بعد والے معاملہ سے پہلے کی ہیں"

کرایہ زمین یہودیوں کی ایجاد ہے

بلکہ انہی شہادتوں کی بنیاد پر میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ زمین کو بندوبست کر کے کچھ کیے دھرے بغیر آمدنی حاصل کرنے کا وہ طریقہ جسے زمینداری کہتے ہیں، یعنی زمین کے خاص رقبہ کی ملکیت کا حق اپنی طرف کسی ذریعہ سے منسوب کر کے باطمینان محنت کرنے والوں کی محنت سے استفادہ اور غریب کسانوں پر من مانے شروط اس سلسلہ میں عائد کر کے اپنی پوزیشن کو حتی الوسع خسارے اور آفات سے محفوظ کر لینا، عرب جیسے غیر زرعی ملک کے باشندے آمدنی حاصل کرنے کے اس طریقہ سے شاید آشنا نہ تھے، ان کے پاس زرعی زمینیں تھیں کہاں؟ اور کہیں واحات اور نخلستانوں میں تھیں بھی تو وہ اتنی کم مقدار

ہیں تھیں کہ خود کاشت کرنے والوں کے لیے کافی نہ تھیں، اسی لیے تھوڑی بہت کاشت جو وہاں ہوتی بھی تھی، خصوصاً حجاز میں تو دست خود وہاں خود ہی کے طریقہ پر ہوتی تھی، لیکن سرمایہ کے زور پر زمین کے کسی رقبہ کا مالک بن کر آمدنی حاصل کرنا کچھ تعجب نہیں کہ خیبر کے یہودیوں ہی نے عربوں کو اس سے ابتداءً روشناس کیا ہو، اسی لیے اس طریقہ کا نام بھی مخابرہ ہوگیا۔ ابن الاعرابی کے الفاظ سے بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے۔

تاریخوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منوّرہ اور اس کے اطراف و نواح نیز خیبر وغیرہ میں قلعے کے نام سے یہودیوں کے جو خاص مراکز قائم تھے، دراصل ان قلعوں کی حیثیت ساہوکارہ کوٹھیوں اور غلّوں کے گوداموں کی تھی، مختلف ذرائع سے یہودی سرمایہ دار غریب عربوں کو چوستے رہتے تھے، حد یہ تھی کہ علاوہ روپیہ کے سونے چاندی کے زیور بھی یہودی سرمایہ دار کرایہ پر چلایا کرتے تھے۔ سیر کبیر کی شرح میں علامہ سرخسی نے لکھا ہے کہ:

"ایک دفعہ کرایہ کے زیوروں یا برتنوں میں سے ایک زیور یا برتن مکہ میں ضائع ہوگیا، جس کے تاوان میں دس ہزار اشرفیاں وصول کی گئیں۔"[۱۰۳]

معلوم ہوتا ہے کہ زمینوں کو کرایہ پر دے کر من مانے طریقہ سے کاشتکاروں کی کمائی کا بڑا حصّہ یہودی سرمایہ دار اڑا لیا کرتے تھے، اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ عموماً عرب کے حاجت مند لوگ ان سے زیادہ تر غلّہ ہی قرض لیا کرتے تھے کعب بن اشرف اور رافع بن ابی الحقیق کے قتل کے قصّوں میں پڑھیئے، ہر ایک میں آپ کو یہی ملے گا کہ ان یہودی سرمایہ داروں سے اناج ہی طلب کیا گیا تھا جو رہن رکھ کر دیا کرتے تھے، بعض موقعوں پر پتہ چلتا ہے کہ غریب عربوں

کے بیوی اور بچّوں تک کو یہودی سرمایہ دار گروی رکھ لیا کرتے تھے۔

سُود و ربا سرمایہ داری کے لیے مُزارعت و مخابرت زمینداری کے لیے یہود کی ایجاد

بہرحال زمین کے مالکوں اور زمینداروں کا، اپنی زمین کرایہ پر بندوبست کر کے آمدنی وصول کرنے کا طریقہ، مزارعت کے سوا مخابرہ کے لفظ سے بھی سمجھا جاتا تھا، میرے خیال میں تو خود اس لفظ میں بھی زمینداری کی کچھ تاریخ پوشیدہ نظر آتی ہے۔ اور ملکوں کا تو میں نہیں کہتا، لیکن سرزمین عرب یا کم از کم حجاز کی حد تک یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہودی سرمایہ داروں ہی نے عرب کے محنت کش باشندوں کے کھیل کھیلنا شروع کیا تھا، سود اور ربا کے مختلف طریقوں سے جو کچھ وہ کر رہے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مزارعت کی راہ سے بھی تقریباً اسی قسم کے سرمایہ دارانہ مظالم کے پہاڑ ان کے سروں پر توڑ رہے تھے۔ بعض روایتوں میں جو آیا ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخابرہ کا ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ:

من لم یذر المخابرۃ فلیاذن بحرب من اللہ ورسولہ[۱۰۴]

"جو مخابرہ کے معاملہ کو نہ چھوڑنے چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اعلانِ جنگ دے دے۔"

لہجہ بتا رہا ہے کہ "مخابرت" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سرمایہ داری کا وہی زہر نظر آ رہا تھا، جو ربا اور سود کا مخصوص زہر ہے[۱۰۵]

اور قرآن میں جس کی ممانعت کا حکم دیتے ہوئے بھی فرمایا گیا ہے کہ

جو سُود خوری سے باز آنا نہیں چاہتا وہ اللہ اور اس کے رسول کو اعلانِ جنگ دے دے۔

خیبر، ایران اور رُوم کی فتح کا ایک ہی نصب العین تھا

اور کون کہہ سکتا ہے کہ حکومت اور زمین کے حقیقی آباد کاروں کے درمیان سے بجبر قبضہ کرنے والے متسلطین و متغلبین کا نکال باہر کرنا بھی اس جنگی اور حربی کشمکش کا بقول شاہ ولی اللہ واقعی نصب العین تھا۔ جو ایران و رُوم کی شاہنشاہیتوں سے کی گئی تھی، یہی نقطۂ نظر خیبر کی قلعہ کشائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ تھا؟

یہودی کاشتکاروں اور کسانوں کو ان کے سرمایہ داروں سے آزاد کر کے خیبر کی زرعی زمینوں اور نخلستانوں کو ان ہی کے ساتھ جو بندوبست کر دیا گیا تھا۔[۱۰۶]

بظاہر آپ کے اس طرزِ عمل سے کچھ یہی سمجھ میں بھی آتا ہے۔

یہود کے ساتھ معاملے کی حیثیت

باب معاملۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ خیبر (یعنی اہلِ خیبر کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاملہ کیا تھا، اس کی نوعیت کیا تھی۔ امام بخاری نے اس باب کو قائم کر کے جو حدیث اس باب میں درج کی ہے وہ صرف یہی ہے کہ:

اعطی النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر الیہود ان یعملوھا ویزرعوھا ولھم شطر ما یخرج منھا[۱۰۷]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کو یہ طے کرتے ہوئے دیا کہ وہی خیبر کی زمینوں پر کام کریں، اور ان میں کھیتی کریں، جو کچھ پیدا ہو اس کا ایک حصّہ ان کو ملے گا۔"

دراصل یہ وہی یہودی تھے جن کے متعلق حدیثوں میں آیا ہے کہ اپنے پھاوڑوں اور اپنی ٹوکریوں کے ساتھ باہر نکلے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس فوج (خمیس) پر ان کی نظر پڑی، جو آپ کے ساتھ تھی، محمد والخمیس کہتے ہوئے بھاگے، بخاری وغیرہ کی روایتیں اس سلسلہ میں قابلِ توجہ ہیں یعنی ایک طرف تو معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کے سرمایہ داروں کے پاس بڑا خزانہ تھا، لیکن دوسری طرف صحابہ بیان کرتے ہیں کہ:

لم نغنم ذھبا ولا فضۃ[۱۰۸]

غنیمت میں ہم لوگوں کو نہ سونا ملا اور نہ چاندی۔"

دونوں روایتوں کے ملانے سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ زر و نقرہ کا سارا سرمایہ تو چند خاص سرمایہ داروں یعنی وہی اہل ابی الحقیق میں محدود و منحصر تھا، دوسروں کو اس کی خبر بھی نہ تھی، اور خیبر کے باشندوں کے پاس سونے چاندی کی شکل میں تھا ہی کیا، جو مالِ غنیمت میں ہاتھ آتا۔

بہرحال مخابرہ یعنی خیبر کے سرمایہ دار یہود نے زمیندارانہ طریقہ سے زمینوں کے بندوبست کرنے کی رسم سے عرب کو آشنا کیا تھا۔ اسی مخابرہ کو ختم کرنے کے لیے جو اقدام کیا گیا، اور خیبر کو فتح کر کے زمین کے اصلی آباد کاروں اور حکومت کے درمیان سے سرمایہ دار زمینداروں کو نکال کر زمین کے واقعی کسانوں اور حقیقی باغبانوں کے سپرد وہاں کی زمین کر دی گئی، حکومت کی طرف سے بندوبست کرنے کے اسی طریقہ کو دیکھ کر مخابرہ یعنی زمینداری کی کل شکلوں

کو تو نہیں، لیکن اسی مخابرہ کی ایک خاص صورت کے جواز کی سند بنا لی گئی یعنی قرار دے گیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیداوار کے کچھ حصّہ پر خیبر کی زمین بندوبست فرمائی تھی، تو زمینداروں کو بھی اس کا حق کیوں حاصل نہ ہو گا کہ اسی شرط پر اپنی زمینوں کو بندوبست کریں، ایسا ہونا چاہیئے تھا، یا نہ ہونا چاہیئے، لیکن ہوا یہی۔

کچھ بھی ہو زمینداری کے ظالمانہ اور جابرانہ طریقوں کا تو بہرحال انسداد ہو گیا، صرف نقدی بندوبست اور جو کچھ پیدا ہوا ہو، اس کا نصف اور ثلث زمیندار کو ملے گا، ان دونوں کے متعلق اختلاف باقی رہا، شمس الآئمہ سرخسی نے لکھا ہے کہ:

کان الخلاف فی الصدر الاول والتابعین رحمھم اللہ تعالیٰ بعد ھم واشتبھت فیھا الآثار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[۱۰۹]

صدر اوّل (یعنی عہدِ صحابہ ہی میں اختلاف رہا) اور ان کے بعد تابعین کی رائیں بھی اس باب میں مختلف رہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے جو باتیں بیان کی گئیں ان میں اشتباہ پیدا ہو گیا۔"

صحابہؓ میں بٹائی کی بجائے مشترکہ کاشت کا رواج تھا!

شمس الآئمہ کی پہلی بات یعنی صدر اوّل (عہد صحابہؓ) اور تابعین کے زمانہ میں مسئلہ زمینداری کے متعلق کوئی فیصلہ نہ ہو سکا، اور لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا، اس کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا، کتابوں میں طرح طرح کے نظریات

اس باب میں نقل کیے جاتے ہیں۔ جن کی تفصیل موجب تطویل بھی ہے، اور شاید ان کے تذکرہ سے کچھ فائدہ بھی نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کے متعلق بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم واقفیت کی وجہ سے کچھ دنوں تک اپنی زمین بٹائی پر وہ بندوبست کرتے رہے، لیکن جب تحقیق سے ثابت ہوا کہ بنی حارثہ کے زمینداروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ اپنی زمین کرایہ پر نہ بندوبست کیا کریں، تو اس کاروبار کو انہوں نے چھوڑ دیا۔ اسی کے ساتھ بخاری وغیرہ میں ہے کہ کافی تعداد صحابیوں کی بٹائی پر اپنی زمین کو بندوبست کرتی رہی، روایت کے ظاہر الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کاشتکاروں کو کاشت کے لیے اپنی زمین دے دیا کرتے تھے، اپنی محنت اور اپنے مصارف سے کاشتکار ان زمینوں کو آباد کرتے تھے، پھر جو کچھ پیدا ہوتا تھا۔ حسب معاہدہ نصف یا تہائی چوتھائی پیداوار کا زمین کے مالک یعنی زمیندار کو دے دیا کرتے تھے، گویا بجنسہٖ بٹائی سسٹم جس کا زمینداروں میں اب تک رواج ہے، زمینوں کے بندوبست کرنے کا یہی طریقہ جاری تھا۔[۱۱۰]

لیکن جن صحابیوں کی طرف بندوبست کرنے کے اس طریقۂ کار کو روایت میں منسوب کیا گیا ہے۔ ان میں ہم ان صحابیوں کو بھی پاتے ہیں، جن سے براہ راست یا بالواسطہ تلمذ و استفادہ کا تعلق رکھنے والے اربابِ فتویٰ کسی شرط پر بھی زمینوں کے بندوبست کرنے کو جائز سمجھتے تھے، ان صحابیوں میں حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شمار کیا گیا ہے، جاننے والے جانتے ہیں کہ کوفہ کے فقہاء کو اور اسلامی قوانین کی تدوین کے کام کرنے والے آئمہ ابن مسعودؓ اور حضرت علی رضؓ کے زیادہ تر اپنے فقہی نظریات میں پابند ہیں، امام ابو حنیفہؒ

کی فقہ تو ابنِ مسعود ہی کی فقہ سمجھی جاتی ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان ہی جیسے دوسرے لوگ یہ جانتے ہوئے کہ ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ اپنی زمینوں کو بٹائی پر بندوبست کیا کرتے تھے، اس کے عدم جواز کا فتویٰ کیسے دے سکتے تھے۔

امام بخاری نے اسی باب میں ٹھیک اسی کے بعد یعنی بٹائی پر صحابیوں کی کافی تعداد اپنی زمین بندوبست کرتی تھی، آگے سلف کے بعض بزرگوں کے طریقۂ عمل کی وضاحت ان الفاظ میں بھی کی ہے۔ مثلاً ابنِ سیرین کے متعلق یہ روایت درج کی ہے کہ:

کان لا یری باسًا ان یدفع ارضہٗ الی الاکار علی ان یعمل فیھا بنفسہ وولدہ واعوانہٗ وبقرہٖ ولا ینفق شیئًا و تکون النفقۃ کلّھا من رب الارض۔[۱۱۱]

ابنِ سیرین اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے کہ زمین کسان کو اس شرط پر دی جائے کہ وہ خود اور اس کے بال بچے اور متعلقین کھیت پر کام کریں گے، بیل بھی اس کا ہوگا، مگر کاشتکاری کے مصارف (تخم آبپاشی وغیرہ) کی ذمہ داری زمین کے مالک زمیندار کے سر رہے گی۔"

ظاہر ہے کہ زمینداروں میں بٹائی پر زمینوں کے بندوبست کرنے کا جو عام طریقہ ہے اس سے ابنِ سیرین کا مندرجۂ بالا فتویٰ بالکل مختلف ہے۔ زمینداروں کی بٹائی میں تو سب کچھ کاشتکار کو ہی کرنا پڑتا ہے، کاشت کے سارے مصارف اسی پر عائد ہوتے ہیں، زمیندار کی طرف سے صرف زمین سے استفادہ کا حق دیا جاتا ہے، اور اسی حق کے معاوضہ میں پیداوار کا کچھ حصہ زمیندار حاصل کرتا ہے۔

لیکن آپ دیکھ رہے ہیں ابن سیرین تو محنت مزدوری کی ذمہ داری صرف کاشتکار پر عائد کرتے ہیں، لیکن سینچائی تخم وغیرہ کے سارے مصارف کا بار رب الارض (یعنی زمیندار) ہی کے سر ڈالتے ہیں، اور اس باب میں تنہا ان ہی کی یہ رائے نہ تھی، امام بخاری نے ہی اسی کے ساتھ خواجہ حسن بصریؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔

قال الحسن لا باس ان تکون الارض لاحدھما فینفقان جمیعا فما خرج فھو بینھما۔[۱۱۲]

حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ زمین کا مالک ایک شخص ہو، وہ اور کاشتکار دونوں مل کر کاشت کاری کے مصارف کا بار اٹھائیں، اور جو کچھ پیدا ہو، دونوں میں بانٹ دیا جائے، اس طریقۂ کار میں بھی حرج نہیں ہے۔"

الغرض یہ بٹائی والا طریقہ نہ ہوا، بلکہ "مشترکہ کاشت" کی گویا ایک شکل ہوئی، جس میں زمیندار یعنی ربّ الارض کی طرف سے زمین کے سوا کاشت کے مصارف بھی ادا کرنے پڑتے ہیں۔

میں قطعی طور پر تو نہیں کہہ سکتا، لیکن ابن سیرین اور حسن بصریؒ کے ان نقاط نظر کی روشنی میں بظاہر خیال اس طرف جاتا ہے کہ نصف، ثلث، ربع پیداوار پر زمینوں کے بندوبست کرنے کے جس طریقہ کو روایتوں میں بعض صحابۂ کرام کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس کی نوعیت زمینداروں والی بٹائی کی عام شکل سے مختلف تھی۔

اور یہ دعویٰ اگر کیا جائے کہ بٹائی نہیں بلکہ مشترکہ کاشت کے طریقہ کی راوی نے محل تعبیر کر دی ہے تو بظاہر اس دعویٰ کو بے بنیاد نہیں ٹھہرایا جا سکتا

آخر صحابیوں کے طرزِ عمل کے ہوتے ہوئے کوئی وجہ ہو سکتی تھی کہ ابن سیرینؒ، حسن بصریؒ اور وہبی کیا، ابنِ حزم کے حوالہ سے نقل کر چکا ہوں کہ اسلامی شہروں کے عام فقہاء اربابِ فتویٰ یعنی اسلامی قوانین کے مدوّن کرنے والے حضرات صحابہؓ کے بعد مسلمانوں میں جو گذرے ہے، ان کی مرکزی ہستیاں کسی شرط پر بھی نقدی ہو، یا بٹائی زمینوں کو بندوبست کرنے کی اجازت زمین کے مالکوں یعنی زمینداروں کو نہیں دیتے تھے، صحابہ کرام کے عملی نمونوں سے ان کا ذہن متاثر ہوتا، اور جس کام کو صحابہ کرام کرتے ہوں، اس کو ناجائز ٹھہرانے کی جرأت خود سوچنا چاہیئے کہ وہ کیسے کر سکتے تھے۔

بہرحال شمس الآئمہ نے جیسا کہ لکھا ہے کہ رسول اللہ کے بعد اختلاف اس مسئلہ میں ضرور پیدا ہوا، آئمہ مجتہدین کے آراء بھی اس باب میں اسی وجہ سے مختلف ہیں، جس کی تفصیل کتابوں میں موجود ہے، لیکن شمس الائمہ کا دوسرا دعویٰ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آثار اور احادیث اس باب میں منسوب ہیں، خود ان میں بھی اشتباہ پیدا ہو گیا تھا۔

ممانعت زمینداری پر حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب کا اتفاق ہے

چھوٹا منہ بڑی بات ہے، شمس الآئمہ بہرحال شمس الآئمہ ہیں۔ بایں ہمہ محدود معلومات کی بنیاد پر اپنے اس احساس کو میں کیسے چھپاؤں کہ جہاں تک اس سلسلہ میں براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں اور آپ کے آثار کا فقیر نے اب تک جائزہ لیا ہے حنفیؒ، شافعیؒ، مالکیؒ، حنبلیؒ فقہاء کی

کتابوں اور حدیث کی کتابوں، ان کی شرحوں میں ڈھونڈتا رہا ہوں، مجھ پر تو یہی واضح ہوا ہے کہ حافظ ابن حزمؒ کی تعبیر:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن كراء الارض جملة۔[۱۱۳]

یعنی زمین کو کرایہ پر بندوبست کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً اور کلیتہً ممانعت فرما دی۔"

اس کے ذکر سے صحاح ستہ اور حدیث کی عام کتابیں بھری ہوئی ہیں، کسی قسم کا اجر و معاوضہ حظ اور حصہ زمین کا مالک اس شخص سے نہیں لے سکتا جسے اپنی زمین کرایہ پر اس نے دی ہے، اس کے لیے حدیث کی جس کتاب کو اٹھا لیجئے، بکثرت اجمالی اور تفصیلی روائتیں آپ کو ملتی جائیں گی، دوسرے لفظوں میں کہہ سکتے ہیں کہ کلیتہً "سدّ باب المزارعۃ"، یعنی الغائے زمینداری کے محکمہ وثائق سے کتابیں معمور ہیں۔ لیکن اس کے برعکس یہ مسئلہ کہ زمین کا زمیندار کرایہ پر اپنی زمین کو بندوبست کر کے آمدنی حاصل کر سکتا ہے۔

اس کے جواز میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص والی وہ مجروح روایت جس میں لکھا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قطعی قولی فرمان،

"یعنی کرایہ پر زمینوں کو بندوبست نہ کیا کرو"

اس قول کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل، یعنی خیبر کے یہودی کاشتکاروں کے ساتھ حکومت کی طرف سے وہاں کی زرعی زمینوں اور نخلستانوں کو جو آپ نے بندوبست کیا تھا، ہر پھر کر جو بھی ذکر کرنا ہے بس آپ کے اسی طرزِ عمل کو پیش کرتا ہے اور اس کو پیش کر کے کراء الارض کی کلّی ممانعت والے نبوی فرمانوں کی تخصیص کا دعویٰ کر دیا جاتا ہے۔

غلط فہمی کی اصل وجہ!

میں نے جہاں تک تلاش کیا، خیبر والے عملی نمونہ کے سوا کسی کے پاس اور کچھ نہیں ہے، سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اس کے بعد یہ دعویٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے والے آثار میں اشتباہ پیدا ہو گیا، کہاں تک بجا دعویٰ ہو سکتا ہے، کم از کم شمس الائمہ جو خود لکھ چکے ہیں کہ خیبر والا معاملہ تو حکومت اور کاشتکاروں کے درمیان تھا، کاشتکاروں سے خراج مقاسمہ وصول کیا جاتا تھا، اس پر زمینداروں کی آمدنی کو قیاس کرنا صحیح نہ ہو گا، تفصیلاً اس کی بحث گذر چکی ہے، بلکہ عرض کر چکا ہوں کہ یہودی سرمایہ داروں کو درمیان سے نکال کر خیبر کی زرعی زمینوں اور نخلستانوں کو کو واقعی ان پر کام کرنے والوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بندوبست کرتا، مخابرہ یعنی زمینداری کے جس طریقہ کو یہودی سرمایہ داروں نے عرب میں رواج دیا تھا، اسی پر گویا یہ عملی ضرب لگائی گئی تھی، لیکن اب اس کو کیا کیجئے کہ حکومت جب کاشتکاروں سے محصول اور مالگذاری وصول کرتی ہے، تو زمینداروں کو بھی کاشتکاروں سے اپنی زمین کی مالگذاری وصول کرنے کی کیوں اجازت نہ دی جائے گی، اسی مع الفارق قیاس کا یہی نتیجہ چل پڑا، اور بات واضح نہ ہو سکی۔

تاہم جو کچھ آپ پڑھ چکے اس کے بعد بھی اگر کوئی نتیجہ تک نہ پہنچے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ در حقیقت پہنچنے سے گریز کر رہا ہے۔

زمین کے بارے میں اسلامی ضابطہ

اور یہ تو خیبر مسئلہ کا منفی پہلو تھا، یعنی زمین کے مالکوں کو منع کر دیا گیا تھا کہ کرایہ پر اپنی زمینوں کو بندوبست نہ کریں، لیکن پھر اپنی زمینوں کے ساتھ کیا معاملہ کریں، کیا مسئلہ کے اس ایجابی و اثباتی پہلو کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نشئہ چھوڑ دیا تھا؟ صرف بخاری ہی میں آپ کو سب کچھ مل جائے گا، اس سلسلہ کی ایک مشہور روایت تو یہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من کانت له ارض فلیزرعها او لیمنحها اخاه فان ابی

فلیمسك ارضه[۱۱۴]

جس کے پاس زمین ہو، چاہیئے کہ اس زمین پر خود کاشت کرے ورنہ بخش دے، اپنے کسی بھائی کو (کاشت کرنے کے لیے) اور اس سے بھی اگر انکار کرے تو چاہیئے کہ روک لے اپنی زمین کو"

بخاری کے علاوہ صحاح ستہ کی عام کتابوں میں بھی یہ روایت آپ کو مل جائے گی۔

دوسری روایت وہی ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ بنی حارثہ کے زمینداروں کو کرایہ کی ممانعت فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی کہا تھا کہ:

ان زرعوها او ازرعوها او امسکوها[۱۱۵]

خود کاشت کرو، یا اس میں کاشت کراؤ یا روک لو اس زمین کو"

ان دونوں روایتوں کو پیشِ نظر رکھ کر حسب ذیل نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ زمین کا مالک خود جوتے بوئے اور کاشت کرے، یہ مطلب تو ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ "ازرعوھا" یا "فلیزرعھا" کا۔

۲۔ باقی دوسری روایت میں "ازرعوھا" کے ازرعوھا کا جو لفظ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اعراب کی تصحیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دوسرے لفظ کا ہمزہ ہمزہ قطعی ہے۔ اور راء کا حرف مکسورہ یعنی بابِ افعال سے امر صیغہ ہے (کاشت کراؤ) اسی لیے اس کا ترجمہ میں نے کیا تھا مطلب یہ ہے کہ خود کاشت نہ کرے، یا نہ کر سکتا ہو، تو جیسے آدمی اگر اپنا مکان خود نہ بنا سکے، بلکہ مزدوروں سے بنواتا ہو، اور مکان بنانے کے سارے مصارف خود اپنی طرف سے ادا کرتا ہے، اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ دوسروں سے زمین کا مالک کاشت کرائے اور کاشت میں جو کچھ خرچ ہو اس کا بار خود اٹھائے، ظاہر ہے کہ اس کا دروازہ اگر کھلا نہ رکھا جاتا تو اس کے معنی یہی ہوتے کہ آدمی یا تو اپنا کھانا خود پکائے، ورنہ دوسروں سے پکوا کے نہیں کھا سکتا، یا کپڑے خود پہنے اور خود سئے، ورنہ دوسروں کا بنا ہوا، یا سیا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتا۔ الغرض زندگی کی ساری ضرورتوں کو ہر شخص یا خود پوری کرے، ورنہ دوسروں کو معاوضہ اور مزدوری دے کر کام نہیں کرا سکتا۔

کیا انسان کا اجتماعی نظام اس کے بعد باقی رہ سکتا ہے؟

۳۔ تیسرا مشورہ وہی ہے جو لیمنحھا اخاہ کے الفاظ کا مفاد ہے یعنی بخش دے زمین اپنے بھائی کو" جس کا لفظی ترجمہ کرنا چاہیئے، حافظ ابنِ حجرؒ نے شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

ای یجعلھا منیحۃ ای عطیۃ [۱۱۶]

یعنی بطورِ عطیہ کے اپنے بھائی کو دے دے"

صحیح مسلم کی دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اسی سلسلہ میں یہ الفاظ جو منسوب کئے گئے ہیں کہ:

من کانت لہ ارض فلیزرعھا او لیمنحھا و عجز عنھا فلیمسکھا ولا یواجرھا [۱۱۷]

جس کے پاس زمین ہو چاہیئے کہ اس کی خود کاشت کرے، اور خود کاشت کرنے سے عاجز ہو تو اپنے کسی بھائی مسلمان کو دے دے جس سے معاوضہ نہ لے"

حاصل سب کا وہی ہے کہ جو نہ خود اپنی زمین میں کاشت کر سکتا ہو، اور نہ کاشت کرانے کے مصارف برداشت کرنے کی اس میں صلاحیت ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ گویا یہ تھا کہ جیسے پس انداز سرمایہ روپے کی شکل میں کسی کے پاس اگر وہ جائے تو حاجت مندوں کو بغیر سود کے قرض دے کر اُخروی ثواب حاصل کرنے کا حکم اسلام میں دیا گیا ہے، اسی طرح چاہیئے کہ زائد از ضرورت زمین کو بطور منیحہ کے ضرورت مندوں کو جو تنے بونے کے لیے دے دے، اور اس کے معاوضہ میں خواہ بشکل نقد یا پیداوار کچھ نہ لے، جیسے قرض روپے کا کچھ نہ لینا۔

سچی بات تو یہی ہے کہ حدیث کا بھی حصہ "الغائے زمینداری" کے لیے کافی تھا۔

۴۔ آخری بات یہ فرمائی گئی کہ مذکورہ بالا مشوروں میں سے کسی مشورہ کو جو قبول نہیں کرتا یعنی نہ خود کاشت کرتا ہے نہ کاشت کراتا ہے، اور

نہ کسی حاجت مند کو بغیر معاوضہ دینے پر اس کا دل راضی ہوا تو حکم دیا گیا ہے کہ:

"فلیمسك ارضه"[۱۱۸]

پس اپنی زمین کو روک لے"

حیرت ہوتی ہے کہ پیغمبر کے اس آخری مشورے اور حکم کے متعلق دلوں میں خدا جانے یہ سوال کس طرح ہوا، جیساکہ حافظ ابنِ حجرؒ نے نقل کیا ہے کہ:

فی امساکها بغیر زراعة تضییعًا لمنفعتها فیکون فیه اضاعة المال[۱۱۹]

بغیر کاشت کے زمین کو روک لینے میں تو زمین کے نفع سے محرومی کا اندیشہ ہے مال کو ضائع کرنے کی یہ صورت ہوگی"

شاید ان لوگوں کو زمین کی آباد کاری کے متعلق اسلامی حکومت کے ان تعمیری اختیارات کا علم نہ تھا، جس کی بنیاد پر غیر آباد زمین کے مالک اور زمیندار کو حکومت کی طرف سے یہ نوٹس دی جاتی ہے کہ:

ان عجزت عن عمارتها عمرناها وزرعناها[۱۲۰]

اگر اس زمین کے آباد کرنے کی صلاحیت تجھ میں نہیں ہے تو ہم اس زمین کو آباد کریں گے، اور اس میں کاشت کریں گے"

حکومت کے نوٹس کے ان الفاظ کو نقل کرکے علامہ ابوبکر جصاص نے لکھا ہے:

کذلك یفعل الامام عندنا باراضی العاجزین عمارتها[۱۲۱]

اپنی زمینوں کی آباد کاری سے جو معذور ہوں، ان کی زمینوں کے متعلق امام (حکومت) کو یہی کرنا چاہیئے"

قرآنی نصوص جن میں زمین کی آباد کاری کا مطالبہ کیا گیا ہے، بعض کا ذکر اس کتاب میں کر چکا ہوں، نیز عہدِ نبوت اور عہدِ خلافتِ راشدہ کے بیسیوں وثائق اور نظائر پر حکومت کے ان "تعمیری اختیارات" کی بنیاد قائم ہے، جس کی تفصیل کتابوں میں موجود ہے۔

سست کاشتکار کو تنبیہ

میری کتاب اسلامی معاشیات میں آپ ایک اسلامی صوفی کی تحریر کا مطالعہ کیجئے[۱۲۲]۔ جس میں لکھا گیا ہے کہ جس زمین سے مثلاً دس من پیداوار نکالنے کی صلاحیت ہو، لیکن غفلت اور کاہلی کی وجہ سے بجائے دس من کے نو من پیدا ہو تو جس کی سہل انگاری سے پیداوار میں کمی ہوئی وہ قیامت کے دن ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا کہ مخلوق خدا اس کے فعل کی وجہ سے اس روزی سے محروم ہو گئی، جس سے مستفید ہونے کا امکان موجود تھا۔

سچ پوچھئے تو اس قسم کے گشتی فرامین جو حکومت کی طرف سے جاری ہوا کرتے تھے، مثلاً حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فرمان کے الفاظ اسی سلسلہ میں کتابوں میں نقل کئے گئے ہیں، کہ اپنے گورنروں کو لکھا کرتے:

لا تدعوا الارض خرابا[۱۲۳]

زمین کو غیر آباد ہرگز نہ چھوڑنا"

یا ان ہی کے فرامین میں ہوتا:

لا تبتزن قبلك ارضًا[۱۲۴]

کوئی زمین تمہارے علاقہ میں آباد ہوئے بغیر نہ رہ جائے"

حاصل سب کا یہی تھا کہ خدا کی زمین اور اس کی پیداواروں میں اضافہ

کی کوئی ممکن صورت نہ چھوڑی جائے، عمر بن عبدالعزیزؒ اسی لیے اپنے والیوں کو بار بار تاکید کے ساتھ لکھا کرتے تھے کہ نصف محاصل پر کسان زمینوں کو بندوبست لینے پر اگر تیار نہ ہوں تو:

فاعطوها بالثلث فان لم تزرع فاعطوها حتی تبلغ العشر۔ [۱۲۵]

تو تہائی پر بندوبست کر دو، اگر پھر بھی آباد نہ ہو تو دسویں حصہ کی شرط پر دے دو۔"

اور آخر میں تو یہ بھی اجازت دے دی جاتی:

فان لم یزرعها احد فامنحها۔ [۱۲۶]

پھر بھی کوئی کسی زمین کو آباد نہ کرے تو لوگوں کو یوں ہی مفت آباد کرنے کے لیے دے دو۔"

تاآں کہ جس زمین کو مفت لینے پر بھی کوئی آمادہ نہ ہو تو عمر بن عبدالعزیزؒ کا حکم تھا کہ:

فان لم یزرع فانفق علیها بیت مال المسلمین۔ [۱۲۷]

پھر بھی زمین آباد نہ ہو، حکومت کے خزانہ سے خرچ کر کے غیر آباد زمینوں کو آباد کرو۔"

آپ دیکھ رہے ہیں زمین کی آبادکاری کے ان بے پناہ ولولوں کی کوئی ممکن صورت ایسی باقی رہ گئی ہے، جو چھوڑ دی گئی ہو۔

روم و ایران کی زرعی زمینوں سے متسلطین و متغلبین کو نکالنے کے بعد جن فیاضانہ شرائط کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو بندوبست کرتے چلے جاتے تھے، کتابوں میں اس کی تفصیل پڑھیے، نجران کے سود خوار

سرمایہ داروں کو بھی معاوضہ دے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں کی زرعی زمینوں کو ان سے لے کر کاشتکاروں کے ساتھ بندوبست کرنا چاہا تو لکھا ہے کہ:

ان جاؤا بالبقر والحدید من عندهم فلهم الثلثان و لعمر الثلث وان جاء عمر بالبذر عنده فله الشطر [۱۲۸]

اگر بیل اور لوہا کسانوں کی طرف سے مہیا کیا جائے، تو ان کو دو تہائی پیداوار کا ملے گا، اور عمر (یعنی حکومت) کو تہائی، اور تخم کا بندوبست اگر عمر (کی حکومت کرے) تو کسانوں کو نصف حصہ ملے گا۔"

الغرض یہی چاہا جاتا تھا کہ خدا کی زمین سے خدا کی مخلوق جس حد تک مستفید ہو سکے اس میں شک کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑا جائے۔"

اور میرا تو خیال ہے کہ یہ جو کچھ ہو رہا تھا، زمین کی آبادکاری کی ان ساری دلچسپیوں میں نسل انسانی کے سب سے بڑے بہی خواہ اور اس کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی عملی و قولی قوت پوشیدہ تھی، قولی حدیث کا ذکر کر چکا ہوں کہ پرند، چرند حتیٰ کہ چور چکار سب ہی کا کھایا ہوا، آبادکاروں کی طرف سے صدقہ (یعنی نیکی) ہے، گویا پیدا کرنے میں صرف انسانوں ہی کا خیال نہ کرنا چاہیئے بلکہ چرند پرند اور سارے جانداروں کو سمجھنا چاہیئے کہ اس سے مستفید ہوں گے۔

رسول اکرمؐ نے کسان کے گنے والی ہتھیلی کو بوسہ دیا!

انہی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے جن کی ہتھیلیوں میں کدال

اور پچھاڑے کے گھٹے پڑے ہوئے تھے، امام محمد بن حسن الشیبانی کی کتاب الکسب کے حوالہ سے شمس الائمہ سرخسی نے نقل کیا ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے گھٹے پڑے ہوئے ہاتھوں کو چومتے جاتے تھے۔ اور فرما رہے تھے"

کفان یحبھما اللہ تعالیٰ [۱۲۹]

دونوں ہتھیلیاں خدا کی محبوب ہیں"

اس سے زیادہ زمین اور اس کی آبادی کی اہمیت کے اعتراف و اعلان کی عملی مثال شاید انسانی تاریخ میں مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔

اصلاح اراضی کا پیغمبر

انسان سے اگر دیکھا جائے تو کائنات کی ابتداء و انتہا یعنی مبدء معاد کے متعلق قوموں میں مبہم اُلجھے ہوئے احساسات و معلومات جو پائے جاتے تھے ان ہی کو انتہائی سادہ متین اور واضح شکلوں میں پیش کر کے دنیا کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ذہنی کوفت اور روحانی بے چینیوں سے نجات کی جو راہیں کھولی ہیں۔ ابدی زندگی کے ارتقاء و تنزّل کے ہر نشیب و فراز سے آگاہی آپ کے ذریعہ جو کچھ حاصل ہوئی اور اسی کے ساتھ "مستقر الی حین" (چند روزہ قیام گاہ) والی دنیا کی عیوری زندگی کی پیچ در پیچ گتھیوں کو آپ نے سلجھایا، شخصی، خاندانی اور عالمی، قومی و بین الاقوامی عام انسانی تعلقات کے ہر ہر شعبہ میں آدم کی اولاد کو آپ کے طفیل میں وہ سب کچھ ملا۔ جس کی وہ محتاج تھی، ان ساری باتوں سے قطع نظر کر کے اراضی اور زمینوں کی آباد کاری کے مسئلہ میں جو کچھ بتا کر آپ تشریف لے گئے، اور

چند ہی فقروں میں مسئلہ کے تمام منفی و ایجابی پہلوؤں کے متعلق آخری فیصلہ آپ نے جو کر دیا ہے، میرا خیال تو یہی ہے کہ اپنے نبیؐ کے پہچاننے کے لیے صرف یہی ہر اس شخص کے واسطے کافی دوائی ہو سکتا ہے، جو خواہ مخواہ پہچاننے سے گریز ہی کا ارادہ کئے ہوئے نہ ہو، سوچئے اور خوب سوچئے جو کچھ کہہ دیا گیا تھا، کیا اس کے بعد کچھ اور سوچنے کی گنجائش باقی رہ گئی ہے، کچھ نہ ہوتا تو ان ہی فیصلوں کی بنیاد پر اصلاح اراضی کا بجا پیغمبر، چاہیئے کہ دنیا آپ کو تسلیم کرے۔

قضاءً و دیانۃً کا مفہوم

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے استاد مرحوم سیدنا الامام الکشمیری کے ایک خاص علمی نکتہ کا ذکر یہاں کر دیا جائے، مطلب یہ ہے کہ قضاءً و دیانۃً کی عام اصطلاحیں فقہاء اور ہمارے مولویوں کے یہاں مستعمل ہیں مختلف معاملات کے متعلق کہہ دیا جاتا ہے کہ قضاءً صحیح نہیں ہے۔ لیکن دیانۃً صحیح ہے، یا بالعکس دیانۃً صحیح نہیں ہے، قضاءً درست ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مقصد اس کا یہ ہوتا ہے کہ بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کی قانونی یعنی اسلامی قانون میں گنجائش نہیں ہوتی، اور قانوناً اُن کو درست نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ ان معاملات کے کرنے والوں کو ہر حال میں مذہب اور دین کا گنہ گار اور مجرم ٹھہرایا جائے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ بخاری کی املا کی شرح فیض الباری میں جو نقل کئے گئے ہیں۔ ان سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے، فرمایا کرتے

تھے کہ:

فدل علی انہ لا یلزم من کون الشی باطلاً او فاسداً کونہ معصیۃً [۱۳۰]

پس معلوم ہوا کہ کسی شے کا (قانون) کے رو سے غیر صحیح یا درست نہ ہونا ضروری نہیں کہ وہ گناہ بھی ہو۔"

پھر بعض فقہی کتابوں سے مسئلہ کو سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

مِنْ ھٰھُنا تبیّن ان من زعم بین کون الشی باطلاً و معصیۃً تلازمًا فقد جاد عن الصواب [۱۳۱]

اسی سے یہ ظاہر ہوگیا کہ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ کسی معاملہ کا صحیح نہ ہونا، اور اس کا گناہ ہونا دونوں میں لزوم ہے، وہ راہِ ثواب سے ہٹے ہوئے ہیں۔"

اپنے اسی نقطۂ نظر کی بنیاد پر "مزارعت"، یعنی زمینداری کے مسئلہ پر تقریر کرتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ کے اس فتویٰ کا تذکرہ کرکے یعنی مزارعت کا معاملہ امام کے نزدیک درست نہیں ہے۔ بایں ہمہ مسلمان اس معاملہ کو کرتے چلے آئے ہیں۔ اور آج تک کر رہے ہیں، شاہ صاحب نے اس موقع پر بھی اپنے اسی نقطہ کو پیش کیا ہے کہ:

قد نبھناک، فیما مر ان الشئ قد یکون باطلاً ولا یکون معصیتہً [۱۳۲]

میں آگاہ کر چکا ہوں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قانوناً ایک معاملہ درست نہیں ہے، لیکن بایں ہمہ وہ معصیت یعنی دینی گناہ بھی نہیں ہے۔"

ممکن ہے کہ عام لوگوں کے لیے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ اصولی بات کچھ عجیب سی ہو، لیکن دین کی ایک حیثیت دین کی ہے، اور دین ہی کا ایک حصہ قانون بھی ہے۔ اربابِ بصیرت ہی اس کو صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ دین کا جو قانونی حصہ ہے، اس کے کون سے وقعات ایسے ہیں جن کا ارتکاب قانونی جرم بھی ہے، اور دینی معصیت بھی ہے، اور ایسے وقعات کون ہیں جن میں یہ رنگ نہیں پایا جاتا، خود عہدِ صحابہ میں بھی اس قسم کے خیالات کا جو سراغ ملتا ہے، مثلاً مشہور صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف یہ قول صحاح ہی کی کتابوں میں منسوب کیا گیا ہے کہ زمین کو کرایہ پر بندوبست کرنے کی ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے۔ اس کا جب چرچا ہوا، تو زید بن ثابت نے فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ:

انما اتاہ رجلان من الانصار اقتتلا وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کان ھٰذا شانکم فلا تکروا المزارع [۱۳۳]

انصار کے دو آدمیوں میں جھگڑا ہوا، دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تب فرمایا، تمہارا یہی حال ہے تو کھیتوں کو کرایہ پر نہ دیا کرو۔"

جس کا مطلب یہی ہوا کہ بجائے کلّی قانون کے حضرت زید بن ثابتؓ کا خیال تھا کہ ایک شخص کو مشورہ جھگڑے کی وجہ سے رسول اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا، مقصد مبارک یہ نہ تھا کہ سرے سے کرایہ پر زمینوں کے بندوبست کرنے کی آپ نے ممانعت فرمادی تھی، اس میں شک نہیں کہ حضرت زیدؓ کی تاویل ان واقعات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جن کا ذکر اس سلسلہ میں کیا گیا ہے، مشکل ہی سے قابلِ قبول ہوسکتی ہے، بنی حارثہ کے زمینداروں

کو جن طریقوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حکم بھیجا تھا، اس کے بعد کیسے مانا جائے کہ شخصی جھگڑے کے موقع پر ایک وقتی مشورہ دیا گیا تھا۔ لیکن کچھ بھی ہو، اتنا اس سے سمجھ میں آیا کہ ہر حکم کو دینی قانون میں شریک کر کے مذہبی گناہگار خلاف ورزی کرنے والوں کو قرار دینا، خود صحابۂ کرام ہی کا یہ نقطۂ نظر نہ تھا، اور حضرت زید رض سے زیادہ اس باب میں بخاری وغیرہ کی وہ روایت ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کو ظاہر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں اس کی تعبیر کرتے تھے کہ:

لان ینفع احدکم اخاہ ارضہ خیر لہ من ان یاخذ علیہا خرجًا معلومًا [۱۳۴]

اپنے بھائی کو (بلا معاوضہ) اپنی زمین (کاشت کرنے کے لیے) کوئی دے، یہ اس سے بہتر ہے کہ زمین کا معاوضہ لے۔"

آپ دیکھ رہے ہیں ابن عباس رضؓ کی تعبیر سے مسئلہ کا رنگ کیا ہو گیا گویا ایک بہی خواہانہ مشورہ تھا جو لوگوں کو دیا گیا تھا۔

بہرحال جب عہدِ صحابہ ہی میں اس قسم کے خیالات مسئلہ زمینداری کے متعلق پیدا ہو چکے تھے، تو آئندہ ان مسلمانوں سے اس کی شکایت ہوگی، جو آج تو خیر جس حال میں بھی ہوں، آج سے صدیوں پہلے اپنے عہد کے مسلمانوں کو دیکھ کر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا:

"چوں دولتِ عرب منقضی شد و مردم در بلادِ مختلفہ افتادند و ہر یکے آنچہ از مذاہب یا دگرفتہ بود ہمانرا اصل ساخت و آنچہ مذہبِ مستنبط سابقًا بود الحال سنۃ مستفرزہ شد، علم ایشاں

تخریج بر تخریج و تفریع بر تفریع و دولتِ ایشاں مانند دولتِ مجوس الّا آنکہ نماز می گذارند و متکلم بکلمہ شہادت می شمارند۔"

ترجمہ:۔ جب عرب کی دولت کا زوال ہو گیا۔ اور مسلمان دنیا کے مختلف حصّوں میں پھیل گئے۔ تو جن لوگوں کے پاس مذہب کے متعلق جو معلومات تھے، ان ہی کو بنیاد بنا کر اور ان سے جو نتائج پیدا ہو سکتے تھے، اسی کو ایک مقررہ قاعدہ لوگوں نے بنا لیا، ان لوگوں کا علم صرف اس حد تک محدود ہو کر رہ گیا کہ ان ہی معلومات سے نتیجے اور نتیجوں سے نتیجے پیدا کرتے چلے جاتے تھے، ان ہی کو نظیر بنا کر فیصلے کرتے رہے، اور مسلمانوں کی حکومت ایرانیوں کی حکومت کے مانند بن کر رہ گئی، صرف نماز تو مسلمان پڑھتے رہے، اور کلمہ شہادت کو دُہراتے رہے۔"

روحانی کرب، اور قلبی درد کے ساتھ آخری الفاظ اسی موقعہ پر شاہ صاحب کے قلم سے جو ٹپک پڑے ہیں، آپ بھی پڑھ لیجئے، فرماتے ہیں:

"ما مردم دردا ایاں ہمیں تغیر پیدا شدیم، نمیدانیم خدائے تعالیٰ بعد ازیں چہ خوشہ است [۱۳۵]"

ترجمہ:۔ ان ہی انقلابی دنوں میں ہم لوگ پیدا ہوئے، کچھ نہیں معلوم کہ حق تعالیٰ کی آئندہ مرضی کیا ہے۔"

حواشی وحوالہ جات

۱؎ سید مناظر احسن گیلانی، اسلامی معاشیات، فاتحہ الکتاب، ۱۹۴۷ء حیدر آباد دکن

۲؎ القرآن - ۵۰ : ۶ تا ۱۱

۳؎ القرآن - ۴۵ : ۱۳

۴؎ القرآن - ۶۲ : ۱۰

۵؎ القرآن - ۲ : ۲۸۲

۶؎ القرآن - ۴۱ : ۱۰

۷؎ القرآن - ۴ : ۳۲

۸؎ القرآن - ۵۳ : ۲۹

۹؎ القرآن - ۱۶ : ۷۱

۱۰؎ القرآن - ۵۱ : ۱۹

۱۱؎ القرآن - ۲ : ۲۱۹

۱۲؎ القرآن - ۷۰ : ۲۴، ۲۵

۱۳؎ القرآن - ۱۷ : ۳۶

۱۴؎ القرآن - ۲۸ : ۲۶

۱۵؎ القرآن - ۲ : ۲۶۵

۱۶؎ القرآن - ۲ : ۲۷۲

۱۷؎ القرآن - ۲ : ۲۷۲

۱۸؎ القرآن - ۲ : ۲۶۲

۱۹؎ القرآن - ۲ : ۲۶۴

۲۰؎ القرآن - ۲ : ۲۶۴

۲۱؎ القرآن - ۳ : ۲۶۴

۲۲؎ القرآن - ۲ : ۲۶۵

۲۳؎ القرآن - ۲ : ۲۷۸

۲۴؎ القرآن - ۲ : ۲۷۸

۲۵؎ القرآن - ۲ : ۲۷۹

۲۶؎ المنجد فی اللغۃ والادب والعلوم

۲۷؎ امام ابن حزمؒ نے ان اقسام کو "بیع فرض وسلم" کا نام دیا ہے۔ (المحلی) طبع مصر جلد ۸ ص ۴۶۷۔

۲۸؎ محمد بن اسماعیل البخاری، الصحیح البخاری طبع مصر ۱۳۷۷ھ الجزء الثالث ص ۱۴۱۔

۲۹؎ حافظ ابوبکر محمد بن موسیٰ الحازمی، متوفی ۵۸۴ھ، کتاب الاعتبار طبع منیریہ مصر ۱۳۶۴ھ ص ۱۳۵۔

۳۰؎ امام ابوداؤد ابی داؤد مع حاشیہ عون المعبود بیروت جلد ۳ ص ۱۲۷۔

۳۱؎ نصب الرایہ جزء ۴ ص ۱۲، ڈابھیل (انڈیا) ۱۹۳۸ء

۳۲؎ ابن حزم، المحلی، طبع بیروت، جزء ۸ ص ۲۱۳۔

۳۳؎ امام ابو یوسف، اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ، طبع مصر ۱۳۵۷ھ ص ۴۱۔

۳۴؎ القرآن - ۹ : ۳۴، ۳۵۔

۳۵؎ ابوداؤد، سنن ابی داؤد مع حاشیہ عون المعبود مطبوعہ بیروت جلد ۳، ص ۲۷۲، حافظ علی بن ابی بکر الہیثمی، موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان مطبوعہ سلفیہ مصر ص ۲۷۷، حدیث نمبر ۱۱۴۴، موارد میں "فلیوذن" کے بجائے "فلیاذن" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

۳۶؎ القرآن - ۲ : ۲۷۹

۳۷؎ سنن ابوداؤد مع حاشیہ عون المعبود، مطبوعہ بیروت جلد ۱ ص ۲۷۱۔

۳۸؎ برہان الدین ابوالحسن فرغانی مرغینانی، ہدایہ مطبوعہ دہلی جلد ۴ ص ۴۷۳۔

۳۹؎ سید مناظر احسن گیلانی، اسلامی معاشیات حیدر آباد دکن ۱۹۴۷ء، اس موضوع پر مولانا کا مقالہ عنوان "نظام جاگیرداری اور زمینداری کی اسلام میں کیا گنجائش ہے؟" معارف اعظم گڑھ میں بھی چھپا تھا۔

۴۰؎ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء، مقصد دوم طبع صدیقی، بھوپال ۱۲۸۶ھ ص ۱۲۹

۴۱؎ عراق وشام کی زرعی زمینیں ان ہی علاقوں کے اصلی کاشتکاروں کے قبضہ میں رہیں، کاشتکاروں اور حکومت کے درمیان جاگیرداروں اور زمینداروں کا طبقہ باقی نہ رہا، یہ تو ایک تاریخی واقعہ ہے، آئمہ کوفہ خصوصاً امام ابوحنیفہؒ

اوران کے اصحاب و تلامذہ کا فیصلہ ہے کہ جن کاشتکاروں اور حکومت کا قبضہ تھا، ان ہی کو اسلام نے ان زمینوں کا قانونی مالک بھی تسلیم کر لیا تھا۔ مگر محدثین میں غیر دل و دماغ والے بعض افراد ایسے بھی گذرے ہیں، جو امام اور ان کے تلامذہ کے اس فیصلہ ناراض تھے، ابوبکر جصاص رح نے احکام القرآن میں بسط و تفصیل کے ساتھ امام ابوحنیفہ رح کے نقطۂ نظر کی تائید کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ امام پر قطعاً بے جا اعتراض کیا گیا ہے تفصیل کے لیے دیکھو احکام القرآن جلد ۳ ص ۳۲۵۔

۴۲ ابن حجر العسقلانی، فتح الباری جلد ۶ ص ۱۷۱ (گیلانی)

۴۳ یحییٰ بن آدم قرشی کتاب الخراج طبع ۱۸۹۵ء ص ۴۲۔

۴۴ کتاب الخراج ص ۳۴ ۴۵ کتاب الخراج ص ۴۲

۴۶ کتاب الخراج ص ۴۲

۴۷ امام مسلم، صحیح مسلم مطبوعہ مصر ۱۳۳۴ھ، الجزء السابع ص ۱۶۷

۴۸ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی، مشکوٰۃ المصابیح الجزء السابع۔

۴۹ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صالح سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ فاذا ایداہ قد اکتبنا فسألہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک فقال أضرب بالمرو المسحاۃ لانفق علی عیالی فقبّل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہٗ۔ (شمس الائمہ السرخسی، المبسوط، کتاب الکسب جلد ۳ ص ۲۴۵، مطبوعہ السعادۃ مصر)

۵۰ ابن حجر العسقلانی، فتح الباری بشرح بخاری متن ۱۳۷۸ھ طبع ۱۹۵۹ء مصر جلد ۵ ص ۵۶، فاضل مصنف نے روایت میں "الانصار مزدوعا" کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ لیکن بخاری اور فتح الباری کے متداول نسخوں میں "اہل المدینہ مزدرعا"

کے الفاظ ہیں۔ معناً دونوں ایک ہیں۔

۵۱ علی المتقی، کنز العمال جلد ۸ ص ۴۷۔

۵۲ کنز العمال جلد ۸ ص ۴۷۔

۵۳ دیکھو کنز العمال جلد ۸ ص ۴۷، بحوالہ طبرانی و ابن ابی شیبہ)۔

۵۴ فتح الباری (متن) جلد ۵ ص ۴۱۹۔

۵۵ فتح الباری (متن) جلد ۵ ص ۴۲۲، جمع الفوائد ص ۴۴۶ جلد ۱۔

۵۶ کنز العمال جلد ۸ ص ۴۳۔ ۵۷ کنز العمال جلد ۸ ص ۴۳۔

۵۸ مبسوط کے مطبوعہ نسخہ میں ہی بنی خارجہ چھپ گیا ہے، لیکن یہ طباعت کی غلطی ہے، صحیح "بنی حارثہ" ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خود حضرت رافع رضؓ بن خدیج اگرچہ صحابی ہیں، اور ممتاز صحابیوں میں شمار کیے جاتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری جس زمانہ میں مدینہ منورہ میں ہوئی، اس وقت وہ بہت نوعمر تھے، اسی لیے بدر کی جنگ میں نوعمر قرار پانے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت سے روک دیا تھا، اُحد میں شریک تھے، تیر سے زخمی بھی ہوئے ۸۳ سال کی عمر میں وفات کہتے ہیں کہ اسی زخم سے ہوئی جو اُحد میں تیر سے لگا تھا، درمیان میں بند رہا، آخر عمر میں وہی کھل گیا جس سے وفات ہوئی۔

۵۹ السرخسی جلد ۳ ص ۲۔ ۶۰ السرخی جلد ۳ ص ۲۔

۶۱ فتح الباری (متن) جلد ۵ ص ۴۲۱۔

۶۲ امام مسلم صحیح مسلم طبع قاہرہ ۱۳۳۴ھ جلد ۵، ص ۱۹

۶۳ فتح الباری (متن) جلد ۵ ص ۴۰۸۔

۶۴ فتح الباری شرح جلد ۵، ص ۴۰۷۔

۶۵ فتح الباری (متن) جلد ۵ ص ۴۰۷۔

۶۶ صحاح ستہ اور موطا وغیرہ میں ایک ایسی روایت بھی پائی جاتی ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نقدی بندوبست کرنے کی اجازت کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حضرت رافعؓ منسوب کرتے تھے، لیکن حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے لکھا ہے کہ دراصل راوی کے سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہے، ورنہ درحقیقت یہ سعید بن مسیب کا قول تھا، جسے راوی نے کچھ اس طرح خلط ملط کر دیا ہے، جس سے یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے۔ دیکھو فتح الباری جلد ۵ ص ۴۲۳

۶۷ ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم متوفی ۴۵۶ھ، المحلی، ایڈیٹر احمد محمد شاکر بیروت، جلد ۸ ص ۲۱۳۔

۶۸ ابن حزم المحلی جلد ۸ ص ۲۲۳۔

۶۹ صحبت رافع بن خدیج ست سنین، فتح الباری (شرح) جلد ۵ ص ۴۱۹۔

۷۰ السرخسی، جلد ۳، ص ۱۱، ۱۲ ۷۱ مبسوط جلد ۲۳ ص ۱۲

۷۲ مبسوط جلد ۲۳، ص ۱۲۔ ۷۳ مبسوط جلد ۵ ص ۱۲

۷۴ ابن حزم، المحلی جلد ۸، ص ۲۱۳۔

۷۵ طاؤس کی طرف صحاح ستہ میں ایسے اقوال بھی منسوب کئے گئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نقدی بندوبست کو ناجائز سمجھتے ہوئے بٹائی کے طریقہ کی اجازت دیتے تھے، لیکن حافظ ابنِ حجرؒ نے بھی فتح الباری میں لکھا ہے کہ طاؤس ان لوگوں میں تھے، جو کسی شرط پر زمین کے بندوبست کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے، (فتح الباری جلد ۵ ص ۴۱۹)

۷۶ ابنِ حزمؒ، محلی جلد ۸، ص ۲۱۳۔

۷۷ فدان شاید پائیدان کا معرّب ہے، ہل پر پاؤں رکھ کر کسان چلائے ہیں۔ شاید اسی لیے اسے پائیدان کہتے ہوں اور اس سے عربی میں فدان بن گیا ہے۔

۷۸ اشترك اربعة نفر على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال أحدهم من عندا البذر، وقال الآخر من عنده العمل وقال الآخر من عندي الفدان وقال الآخر من عندي الارض فقضى في ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لصاحب الفدان اجر امسى وجعل لصاحب العمل درهمًا كل يوم والحق لزرع كله لصاحب البذر والقى الارض۔

۷۹ مبسوط، جلد ۲۳ ص ۱۶۔ ۸۰ مبسوط جلد ۲۳ ص ۱۶۔

۸۱ جمع الفوائد جلد ۱ ص ۴۴۶۔ ۸۲ ابنِ حجر، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، مصر ۱۳۲۸ھ جلد ۱، ص ۴۹۶۔ ۸۳ ابن حزم۔ المحلّٰی جلد ۸ ص ۲۲۔

۸۴ کنز العمال جلد ۸ ص ۷۳ ۸۵ کنز العمال جلد ۸ ص ۷۳۔

۸۶ السرخسی مبسوط جلد ۲۳ ص ۱۶ ۸۷ السرخسی المبسوط جلد ۲۳ ص ۱۶۔

۸۸ میں نے شمس الائمہ کے بیان کا خلاصہ اپنے الفاظ میں درج کر دیا ہے، ان کی اصل عبارت کے لیے دیکھئے مبسوط جلد ۲۳ ص ۱۶۔

۸۹ السرخسی، المبسوط، جلد ۲۳، ص ۱۶۔

۹۰ ابنِ حجر، فتح الباری (متن) جلد ۵ ص ۴۲۳۔

۹۱ ابنِ حجر، فتح الباری (شرح) جلد ۵ ص ۴۲۳۔

۹۲ شامی جلد ۴ ص ۲۴۰ ۹۳ ابنِ حزم، المحلّٰی جلد ۸ ص ۲۲۱

۹۴ ابنِ حزم، المحلّٰی جلد ۸ ص ۲۲۱۔

۹۵ 〃 〃 〃 ص ۲۲۳۔

۹۶؎ تفصیل کے لیے محلّٰی ابنِ حزم جلد ۸ ص ۳۲۳ کا مطالعہ کیا جائے اسی موقعہ پر انہوں نے اس پر بھی تنقید کی ہے کہ رافع بن خدیج نقدی بندوبست کی اجازت دیتے تھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس اجازت کو منسوب کرتے تھے۔

۹۷؎ السرخسی مبسوط جلد ۲ ص ۹۸؎ السرخسی مبسوط جلد ۲۳ ص ۷۔

۹۹؎ السرخسی، مبسوط جلد ۲۳ ص ۲ ۱۰۰؎ ابن حجر، فتح الباری شرح جلد ۵ ص ۱۱۴

۱۰۱؎ ابنِ حزم المحلّٰی جلد ۸، ص ۲۱۹۔ ۱۰۲؎ ابن حزم المحلّٰی جلد ۸ ص ۲۱۹۔

۱۰۳؎ السرخسی، شرح سیر کبیر جلد ۱ ص ۱۸۶۔

۱۰۴؎ کنز العمال بحوالہ ابوداؤد و مستدرک حاکم جلد ۸ ص ۷۲۔

۱۰۵؎ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ کاشت کرنے والے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ محنت اور تخم تو میری طرف سے ہے اور زمین دوسرے صاحب کی طرف سے ہے، نصف حصّہ پیداوار کا زمین والے کو ملے گا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اربتیما (تم دونوں نے سودی معاملہ کیا) اور اس کے بعد معاملہ کو فسخ کر دیا۔ (دیکھو جمع الفوائد جلد ۷ ص ۲۵۷) مشکل الآثار میں طحاوی نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

۱۰۶؎ چند خاص یہودی سرمایہ دار جن میں ایک کعب بن اشرف یہودی کے سوا آل ابی الحقیق ہی کے افراد تھے۔ آل ابی الحقیق کے یہودی خاندان کی خصوصیّت ہی یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہودی سرمایہ کا اکثر و بیشتر حصّہ عند الاکابر فالاکابر من آلِ ابی الحقیق (یعنی اسی خاندان کے بڑوں سے بڑوں میں منتقل ہوتا چلا آتا تھا) بڑے عیش کی زندگی گزارتے تھے، رافع بن ابی الحقیق کی گڑھی، اور گڑھی میں اس کی محل سرا، محل سرا کا بالاخانہ

جس پر جانے کے لیے بجائے اینٹوں کی سیڑھی کے لکھا ہے کہ ہیزمی زینہ بنا ہوا تھا، رات کو اس کے یہاں سامرہ (گپ بازی قصّہ خوانی) کی محفلیں جمتی تھیں، محفل والے جب رافع کے دستر خوان پر پُرتکلّف کھانے کھا کھا کر گھر واپس ہوتے، تب بالاخانہ پر اپنی بیوی کے ساتھ جا کر سوتا کچھ یہی رنگ کعب بن الاشرف کا تھا، ان سرمایہ داروں کا حال یہ تھا کہ خود ستمکھ مسلمانوں کے سامنے مقابلہ کرنے کے لیے نہ نکلتے تھے نہ نکل سکتے تھے، البتہ اپنے سرمایہ کے زور پر قبائلِ عرب کے بھوکوں ننگوں کو کٹوانے چلے جاتے تھے، لکھا ہے کہ اعان غطفان وغیرھم من القبائل من مشرك العرب بالمال الكثير على رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

یعنی غطفان اور ان کے سوا دوسرے عرب کے جاہلوں کی مدد رسول اللہ کے مقابلہ میں زرِ کثیر صرف کرتے تھے (دیکھو فتح الباری جلد ۸ ص ۲۷۴) سچ پوچھئے تو لاکھوں لاکھ انسانوں کے خون اور جان کی ضمانت ان چند سرمایہ داروں کی موت میں پوشیدہ تھی، افسوس ہے کہ یورپ کے مورّخین ان چند سرمایہ دار یہودیوں کے قتل کے واقعہ کو غیر معمولی رنگ آمیزیوں کے ساتھ بیان کر کے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انسانیت کے ساتھ یہ ظلم تھا برعکس نہند نام زنگی کافور اسی کو کہتے ہیں، یہ یاد رکھنا چاہیئے ہیں کہ خیبر کے سرمایہ داروں سے چھین کر وہاں کے اصلی باشندوں اور کسانوں کے ساتھ زرعی زمینوں اور نخلستانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بندوبست تو کر دیا تھا، لیکن فرما دیا تھا کہ یہ دوامی بندوبست نہیں ہے، یہودی قوم کی خصوصیّت ہے کہ کسی حال میں ہو غیر یہودی قوموں کا کینہ ان کے دل سے نکل نہیں سکتا، اسی کا ردِّ عمل یہ ہے کہ قوموں میں بھی یہ مبغوض ہیں۔

ان کی قومی مصیبت خود ان کی اُس قومی خصوصیت میں پوشیدہ ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ قول منسوب بھی کیا گیا ہے، کہ
تنہائی میں کسی مسلمان کو یہودی پائے اور اس کے قتل کی بات دل میں نہ
کرے یہ نہیں ہو سکتا، (مبسوط ص ۷) بہرحال اسی وجہ سے جب یہودیوں
کی طبعی شرکینگی کا مسلسل تجربہ ہوا تو عہدِ فاروقی میں خیبر سے ان کو
باہر کر دیا گیا، اور تیماء اور سجا اور دوسرے اسلامی علاقوں میں جا کر بس
گئے، فتح الباری میں حافظ ابنِ حجرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے معاوضہ
دے کر یہودیوں سے زمین خالی کرائی تھی۔ (دیکھو فتح الباری ص ۹۰ جلد ۵)

۱۰۷ ابنِ حجر فتح الباری (متن) جلد ۵ ص ۴۱۲۔
۱۰۸ ابنِ حجر، فتح الباری (متن) جلد ۹ ص ۲۸۔
۱۰۹ السرخسی، مبسوط، جلد ۲۳، ص ۹۔
۱۱۰ کتاب المزارعۃ، باب المزارعۃ بالشطر، صحیح بخاری۔
۱۱۱ ابنِ حجر، فتح الباری (شرح) جلد ۵ ص ۴۰۸۔
۱۱۲ ابنِ حجر، فتح الباری جلد ۵، ص ۴۰۹۔
۱۱۳ ابنِ حزم، المحلّٰی، جلد ۸ ص ۲۱۲۔
۱۱۴ امام مسلم، صحیح مسلم، طبع قاہرہ ۱۳۳۴ھ جلد ۵ ص ۲۱۔
۱۱۵ محمد بن اسمٰعیل البخاری، الصحیح مطبوعہ مصر ۱۳۷۷ھ جلد ۳، ص ۱۴۱۔
۱۱۶ ابنِ حجر، فتح الباری جلد ۵، ص ۴۲۰۔
۱۱۷ امام مسلم، صحیح مسلم، مطبوعہ مصر ۱۳۳۴ھ جلد ۵ ص ۹، الفاظ کے معمولی
فرق کے ساتھ بخاری میں بھی یہ روایت ہے۔
۱۱۸ ابنِ حجر، فتح الباری (متن) جلد ۵، ص ۴۲۰۔

۱۱۹ ابنِ حجر، فتح الباری (متن) جلد ۵ ص ۴۲۰۔
۱۲۰ ابوبکر جصاص، احکام القرآن، جلد ۳ ص ۵۳۲
۱۲۱ احکام القرآن جلد ۳، ص ۵۳۲۔
۱۲۲ اسلامی معاشیات مصنّف علامہ مناظر احسن گیلانی ناشر سید عبدالرزاق
حیدرآباد دکن، ماہ مئی ۱۹۴۷ء ص ۱۹۔

"اکل بالباطل" یا مفت خوری میں سب سے زیادہ بدنام طبقہ صوفیہ کا
ہے جو نہ پڑھتے ہیں، اور نہ پڑھنا چاہتے ہیں۔ یا ایں ہمہ جہل و ناواقفیت
ہر قسم کے فیصلوں پر جری ہیں، ان کو میں کیسے سناؤں کہ تمہارے غلط طعنوں
سے جو گروہ اتنا مجروح ہے اور زخمی ہے۔ اسی طبقہ کا کوئی معمولی آدمی
نہیں، بلکہ اساطین صوفیہ میں جس کا شمار ہے، میری مراد مشہور صوفی بزرگ
حضرت شیخ ابوالمکارم علاؤ الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے جو تصوف
اور حقائق کے ایک خاص مکتبِ خیال کے پیشوا ہیں، مولانا جامیؒ نے
اپنی کتاب نفحات الانس میں ان کا یہ قول نقل فرمایا ہے، میں تمہیں جانتا کہ
کسی خالص مادی معاشیات کی کتاب میں بھی اس قسم کا معاشی نظریہ مل سکتا
ہے، میں بجنسہٖ فارسی الفاظ کے ساتھ اصل عبارت نقل کرتا ہوں۔ حضرت
سمنانی فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ ایں زمیں و مزارع را بحکمت آفریدہ و میخواہد کہ معمور
باشد و فائدہ بخلق رسد، و اگر خلق بدانند کہ از عمارت دنیا کہ برائے
فائدہ و دخل کنند نہ بوجہ اسراف چہ ثواب ست، ہرگز ترک عمارت
نہ کنند۔"

ترجمہ:۔ حق تعالیٰ نے زمین اور کھیتوں کو حکمت سے پیدا فرمایا ہے اور

خدا چاہتا ہے کہ یہ زمین اور کھیت) آباد رہیں اور ان سے مخلوق کو نفع پہنچے، اگر خلق اللہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ دنیا کی آبادکاری جس سے فائدہ اور آمدنی مقصود ہو"

یعنی فضول خرچی کے طور پر یہ آبادی نہ ہو (جیسے لوگ فخراً مکان پر بناتے چلے جاتے ہیں جس میں نہ رہتے ہیں اور نہ دوسروں کو رہنے دیتے ہیں)، بہرحال نفع اور آمدنی کے لیے آبادکاری کے کام میں کتنا ثواب ہے۔ اگر لوگوں کو اس کا صحیح علم ہوتا تو ہرگز آبادکاری کے کام نہ چھوڑتے۔

"اگر بدانند کہ از ترک عمارت و گذاشتن زمین را معطل چہ گناہ حاصل می شود ہرگز نہ گذارند کہ اسباب او خراب شد"

ترجمہ:۔ اسی طرح اگر یہ جانتے کہ آبادکاری کے کام کے چھوڑنے اور زمین کو بیکار پڑے رہنے دینے میں کتنا گناہ ہے تو ہرگز وہ یہ نہ کرتے"

کہ آبادی کے جو اسباب ہیں ان کو برباد کرنے کے لیے چھوڑ دیں (مثلاً تالابوں اور کنوؤں کی خبر نہ لینا، نہروں کی مٹی صاف نہ کرانا، وغیرہ وغیرہ۔ اسباب آبادی جن کی بربادی کی طرف عوام کو توجہ نہیں ہوتی)۔

آگے تمثیل سے اس اسلامی نظریہ کی تشریح بایں الفاظ فرماتے ہیں:

"ہر کس کو زمینے دارد کہ ہر سال ازاں زمین ہزار من غلہ حاصل می تواند کرد، اگر بہ تقصیر و اہمال نہ صد من حاصل کند و سبب آں صد من حاصل کند و سبب آں صد من از خلق دور افتد بقدر آں از وے باز خواست خواہند کرد"

(نفحات الانس جامی ص ۵۰۸، مطبوعہ کلکتہ)

ترجمہ:۔ جو کوئی زمین کا کوئی ایسا قطعہ رکھتا ہے کہ اس سے ہزار من غلہ سالانہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر اس کی کوتاہی اور کاہلی اور سستی سے (بجائے ہزار من کے) نو سو من غلہ اس زمین سے حاصل ہوا، اور اس کی وجہ سے سو من غلہ مخلوق کے حلق میں نہ پہنچ سکا تو (قیامت کے دن) اس سے اس سو من کی باز پرس ہوگی، اور اس کے برابر اس سے واپس مانگا جائے گا"

وہی مذہب، وہی ثواب آخرت جسے غلط کاروں نے غلط کاروں نے ایک مدت تک تقریباً تمام اقوام و امم میں ترک دنیا اور معاشی کاروبار سے بھگانے سے نفرت دلانے کے آلے کی حیثیت سے استعمال کیا۔ یہ اسلام کا معجزہ ہے کہ کسی "سگ دنیا" حریص نے نہیں بلکہ اسلامی رہبان (صوفیہ) کا جو گروہ ہے۔ وہ اسی مذہب اور اسی ثواب آخرت کو حصولِ دنیا اور معاشی کاروبار کی گرم بازاری کے لیے استعمال کرتا ہے اور بغیر کسی دغدغہ کے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس کی خلاقت ورزی کرنے والوں بلکہ دنیاوی کاروبار میں پوری توجہ اور انہماک سے کام نہ لینے والوں تک کو "باز خواست" کی سزا کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔

۱۲۳ ابن حزم، المحلّٰی، جلد ۸، ص ۲۱۶۔
۱۲۴ کتاب الخراج ص ۴۵۔ ۱۲۵ کتاب الخراج ص ۴۴، ۴۵۔
۱۲۶ کتاب الخراج ص ۴۵۔ ۱۲۷ کتاب الخراج ص ۴۵۔
۱۲۸ ابن حجر، فتح الباری (شرح) جلد ۵ ص ۴۰۸۔
۱۲۹ السرخسی، المبسوط جلد ۳، ص ۲۴۵۔

۱۳۰؎ سید محمد انور شاہ کشمیری، فیض الباری، ڈابھیل ہند جلد ۳ ص ۲۹۰ طبع ۱۹۳۸ء

۱۳۱؎ " " " "

۱۳۲؎ فیض الباری جلد ۱ ص ۲۹۵۔

۱۳۳؎ ابو عبد الرحمٰن بن شعیب النسائی (۲۱۴ — ۳۰۳ھ) سنن النسائی ۔ الجزء السابع، مصر ۱۳۸۳ھ ۱۹۶۴ء، کتاب المزارعہ ص ۴۷۔

۱۳۴؎ کنز العمال جلد ۸، ص ۷۲۔

۱۳۵؎ شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء اُردو ترجمہ، مترجم عبد الشکور جلد ۱، ص ۶۱۰۔

ہماری چند یادگار کتابیں

عروج و زوال کا الٰہی نظام	مولانا محمد تقی امینی
لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر	مولانا محمد تقی امینی
تہذیب کی جدید تشکیل	مولانا محمد تقی امینی
جنگ سیرت نبوی کی روشنی میں	مولانا غلام غوث ہزاروی
ملفوظات حضرت مدنیؒ	ابوالحسن بارہ بنکوی
تفسیر المقام المحمود جلد اول	مولانا عبید اللہ سندھیؒ
مروجہ نظام زمینداری اور اسلام	مولانا محمد طاسن
اسلام کے خلاف یورپی سازشیں	قاضی محمد کفایت اللہ
قرآنی شعور انقلاب	مولانا عبید اللہ سندھیؒ
سرمایہ داری اور جاگیرداری	افضل حق / مناظر احسن

مکی دارالکتب

غزنی سٹریٹ، یوسف مارکیٹ

اردو بازار۔ لاہور

فون : 7241778